Rs.30/-

جنوری ۲۰۲۲ء

انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ

جریدہ حیاتِ نو دہلی

انجمن ہاسٹل

Anjuman Hostel

Jamiatul Falah, Bilariaganj, Azamgarh, U.P. India

فنیشنگ کے اخراجات کا تخمینہ

₹ 2,40,000	*Cost of one ROOM*	ایک کمرے کا تخمینہ (۴ طلبہ)
₹ 60,000	*Cost of one BED/STUDENT*	ایک طالب علم کے لیے زرِتعاون
₹ 6,00,000	*One WARDEN HOUSE*	ایک وارڈن ہاؤس کے لیے زرِتعاون
₹ 48,00,000	*Cost of one FLOOR (14 Rooms + WH + Wash Room)*	ایک منزل کا تخمینہ (۱۴ کمرے + ایک وارڈن روم + واش روم (۶ لیٹرین، ۶ باتھ روم، وضوخانہ)

Account Details:

ANJUMAN HOSTEL JAMIATULFALAH

A/C: **35782469846** | IFSC: **SBIN0012473**

State Bank of India, Bilariyaganj

انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ

جریدہ حیاتِ نو دہلی

مدیر اعزازی: رضوان احمد فلاحی

جلد۔ ۷، شمارہ ۔ ۱ | جنوری ۲۰۲۲ء | جمادی الاخریٰ ۱۴۴۳ھ

ای میل: jareedahayatenau@gmail.com

فی شمارہ	:	اندرون ملک	۳۰؍روپے
		بیرون ملک	۵؍امریکی ڈالر
خصوصی شمارہ	:		۱۰۰ روپے
سالانہ زرتعاون	:	اندرون ملک	۳۰۰؍روپے
		بیرون ملک	۲۰؍امریکی ڈالر
لائف ممبرشپ	:	اندرون ملک	۵۰۰۰؍روپے
		بیرون ملک	۳۰۰؍امریکی ڈالر

مجلس ادارت

۱۔ ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی
۲۔ عبداللہ زکریا فلاحی
۳۔ تنویر آفاقی فلاحی
۴۔ امتیاز وحید فلاحی
۵۔ عبدالرحمٰن زریاب فلاحی
۶۔ نجم الہدیٰ ثانی فلاحی
۷۔ محمد انس فلاحی مدنی

ہمارے نمائندے

۱۔ ظفر احمد اثری فلاحی، لندن
۲۔ موسیٰ کلیم فلاحی، متحدہ عرب امارات
۳۔ حسن حبیب فلاحی، نیپال
۴۔ فیاض احمد فلاحی، قطر
۵۔ محمد سموئیل فلاحی، کویت
۶۔ ڈاکٹر انعام اللہ فلاحی، سعودی عرب
۷۔ ذوالقرنین حیدر فلاحی، ملیشیا

★ رجسٹرڈ ڈاک سے رسالہ منگوانے کی صورت میں رجسٹری خرچ بذمہ خریدار ہوگا۔

★ مقالہ نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

Printed, Published & Owned by **Sayyed Rashid Hamdi** ,F-9, Zeeshan Apartment, 1st Floor, Near Masjid Al-Habeeb, 40 FT Road, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-110025.
Printed at: Ala Printing Press, 3636, Katra Dina Baig, Lal Kuan, Delhi-110006. **Published at**:F-9, Zeeshan Apartment, 1st Floor, Near Masjid Al-Habeeb, 40 FT Road, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-110025. **Editor: Rizwan Ahmed Flahi**

نقوشِ حیات

اداریہ	نگاہ اولین	مدیر	۴
فہم قرآن	اردو تراجم پر ایک نظر	ڈاکٹر محی الدین غازی	۶
بحث ونظر	قریش کا نظام ایلاف	ولید فکری رتنویر آفاقی	۱۶
	تزکیہ نفس کی عصری تفہیم	مظہر جمیل رشیدی	۲۴
تحقیق وتنقید	مدارس میں تحقیق وتصنیف کے شعبہ میں زوال	ڈاکٹر وارث مظہری	۳۱
معاشرت	اسلام کا تصور روحانیت	محمد اشہد فلاحی	۳۸
	سیکولر جمہوریت میں اسلامی شناخت کا مسئلہ	محمد اسعد فلاحی	۴۶
	امت مسلمہ کے معاشی مسائل اور ان کا اسلامی حل	سمیہ اصغر طیباتی	۶۱
یادرفتگان	مولانا محمد یوسف — شخصیت کے چند گوشے	نعمان بدر فلاحی	۷۴
کتاب شناسی	علوم القرآن	محمد انس فلاحی مدنی	۸۱
اخبار جامعہ	جامعہ کے شب وروز	مصباح الباری فلاحی	۸۳
اخبار انجمن	انجمن کی خبریں رسرگرمیاں	ادارہ	۹۲
	آخری صفحہ	ادارہ	۹۶

مقالہ نگاران

۱—ڈاکٹر محی الدین غازی، سکریٹری شعبہ تصنیفی اکیڈمی، جماعت اسلامی ہند

۲—تنویر آفاقی فلاحی، لائبریرین مرکز جماعت اسلامی ہند، نئی دہلی

۳—مظہر جمیل رشیدی، اسکالر ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ

۴—ڈاکٹر وارث مظہری، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی

۵—محمد اشہد فلاحی، متعلم مولانا آزاد اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

۶—محمد اسعد فلاحی، معاون سکریٹری شعبہ اسلامی معاشرہ، جماعت اسلامی ہند، نئی دہلی

۷—سمیہ اصغر طیباتی، معلمہ جامعۃ الطیبات، طویٰ، اعظم گڑھ

۸—نعمان بدر فلاحی، ریسرچ اسکالر، شعبہ عربی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۹—محمد انس فلاحی مدنی، رکن ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ

۱۰—مصباح الباری فلاحی، استاد جامعۃ الفلاح، اعظم گڑھ

۱۱—رضوان احمد فلاحی، مدیر حیات نو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ اولیں

مدیر کے قلم سے

گزشتہ صدی کا آخری عشرہ دنیا کو ایک نئے مذہب کا تحفہ دے گیا جسے 'اسلاموفوبیا' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ مشرق ہو کہ مغرب، دونوں جگہ اس کے ثناخوانوں کی معتدبہ تعداد ہے۔ اسلاموفوبیا کا خمیر صدیوں پرانے اسلام دشمنی کے جذبے سے اٹھا ہے، بس فرق یہ ہے کہ بوتل نئی ہے شراب مگر پرانی ہے۔ تاہم ایک فرق اور بھی ہے۔ پہلے وسیع پیمانے پر اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کی باتیں ہوتی تھیں اور اس کے لیے عملی اقدامات کیے جاتے تھے (صلیبی جنگیں اس کا ثبوت ہیں)، اب تدبیریں اسے باقی رکھتے ہوئے محدود contained کر دینے کی ہوتی ہیں۔ اسلاموفوبیا، معناً تو اسلام سے خوفزدہ ہونا ہے، لیکن عملاً یہ اسلام سے خوفزدہ کرنے کا نام ہے۔ ہر وہ ملک جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، کسی نہ کسی پہلو سے اس پریشان کن صورت حال سے دوچار ہیں۔ پچاس سے زائد اسلامی ممالک میں سے کسی کو بھی اس کی فکر نہیں ہے کہ ہم عقیدہ انسانوں کو اس پریشان کن صورتحال سے چھٹکارا دلانے کے لیے کوئی مؤثر کردار ادا کیا جائے۔

ذات الٰہی اپنی مشیت کے نفاذ میں کسی مخلوق کی پابند نہیں ہے۔ وہ کوئی بھی کام اپنی کسی بھی مخلوق سے لے سکتی ہے جس میں بظاہر کوئی رشتہ ارتباط کا نظر نہ آتا ہو۔ اسلاموفوبیا کی اصطلاح سب سے پہلے امریکہ میں وضع کی گئی، وہیں پروان چڑھی اور پھر اقصائے عالم میں پھیلی۔ اب وہی ملک ہے جس کی ایوان نمائندگان یا کانگریس نے اسلاموفوبیا کا مقابلہ کرنے کے لیے ۱۴ دسمبر ۲۰۲۱ کو اس کے انسداد کا بل منظور کیا ہے۔ یہ بل تاریکی میں روپہلی کرن کی مانند ہے۔

کانگریس نے بل کا مسودہ تیار کرنے کا کام عرب نژاد خاتون مسلم رکن کانگریس الحان عمر کو سونپا تھا۔ اطلاعات کے مطابق یہ بل اسلاموفوبیا کی نگرانی اور اس سے نمٹنے کے لیے خصوصی نمائندے کی تقرری کی اجازت دے گا۔ حکومت کی سالانہ انسانی حقوق کی رپورٹ میں حکومت کی سرپرستی میں مسلم

مخالف واقعات کو شامل کیا جائے گا۔ یہ بہر حال قابل تحسین اقدام ہے۔

ایک قابل توجہ خبر ماسکو سے بھی آئی ہے۔ روسی صدر ولادیمیر پوٹین نے ۲۴ دسمبر کو ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ 'پیغمبر اسلام کی توہین مذہبی آزادی کی خلاف ورزی اور اسلام کی پیروی کرنے والوں کے مقدس جذبات کی خلاف ورزی ہے۔' انھوں نے واضح طور پر نشاندہی کی کہ پیغمبر اسلام کی توہین آرٹ کی آزادی کی تعریف میں نہیں آتی۔ یہ بتاتے ہوئے کہ فنکارانہ آزادی کی اپنی حدود ہوتی ہیں، روسی صدر نے کہا کہ ہمیں ایک دوسرے کی روایات کا احترام کرنا چاہیے۔ اس طرح کی کارروائیاں ان گروہوں کی طرف سے شدت پسندانہ ردعمل کو جنم دیتی ہیں جن کے جذبات مجروح ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں انھوں نے پیرس میں چارلی ہیبڈو میگزین کے دفتر پر حملے کی مثال دی۔ میگزین نے ۲۰۱۵ میں پیغمبر اسلام کے انتہائی توہین آمیز کارٹون شائع کیے تھے۔ فرانسیسی صدر ایمانوئل میکرون نے جارحانہ کارٹونوں کی اشاعت کا بھرپور دفاع کرتے ہوئے حملے کو دہشت گردی قرار دیا تھا۔

اگرچہ اس طرح کے اعلانات کے متعلق کسی غیر معمولی خوش گمانی سے کام لینا صحیح نہیں، تاہم ان کی ابتدائی اہمیت سے انکار بھی نہیں کیا جاسکتا۔ پوتین نے جو کچھ کہا وہ ایک پیغام ہے جسے اسلاموفوبیا کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری غیر مسلم دنیا میں پھیلایا جانا چاہیے۔

....

ایک اچھی لائبریری سے بھرپور استفادہ ایک استاد کی ضرورت پوری کر دیتا ہے۔ خبر آئی ہے کہ جامعہ کی عالمیت اور فضیلت کی وہ طالبات جنھیں تحقیقی مقالے تحریر کرنے ہیں، مراجع سے استفادہ کرنے کی غرض سے ان کے لیے لائبریری کا ایک دن مختص کیا گیا ہے۔ منتظمین کا یہ اقدام قابل ستائش ہے اور ہم امید کرتے ہیں کہ طالبات اس سہولت سے پورا فائدہ اٹھائیں گی۔ آئیڈیل شکل تو یہ ہے کہ شعبہ طالبات کی اپنی لائبریری بنیادی مراجع پر مشتمل ہو جو ان کی ضروریات کی کفیل ہو۔

اردو تراجم قرآن پر ایک نظر

(مولانا محمد امانت اللہ اصلاحی کے افادات کی روشنی میں)

ڈاکٹر محی الدین غازی:mohiuddin.ghazi@gmail.com

(۱۷۸) يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ کا ترجمہ

درج ذیل آیت کے ٹکڑے میں متکلم کی ضمیر نہیں ہے، صاحبین مضاف ہے سجن کی طرف، یہ اضافت یا تو ظرف کے مفہوم میں ہے، یا مفعول بہ کے مفہوم میں، ظرف کی صورت میں ترجمہ ہوگا: ’’جیل کے دونوں ساتھیو‘‘، اور مفعول بہ کی صورت میں ترجمہ ہوگا: ’’دونوں جیل والو‘‘۔ اردو زبان کا لحاظ کرکے، جیل کے ساتھیو، یا جیل والو کہا جاسکتا ہے۔ اس جملے میں لفظ ’’میرے‘‘ تفسیری اضافہ تو ہوسکتا ہے، جیسا کہ ہمیں اکثر تفاسیر میں ملتا ہے، لیکن عبارت میں یہ بات موجود نہیں ہے۔ عام طور سے مترجمین نے ’’میرے‘‘ کے ساتھ ترجمہ کیا ہے۔

(۱) يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ (یوسف:۳۹)

’’اے میرے زنداں کے دونوں ساتھیو‘‘۔ (امین احسن اصلاحی)

’’اے میرے قید خانے کے ساتھیو‘‘۔ (محمد جوناگڑھی)

’’اے میرے قید خانہ کے دونوں ساتھیو‘‘۔ (احمد رضا خان)

’’اے قید خانہ کے میرے دونوں ساتھیو‘‘۔ (محمد حسین نجفی)

’’میرے جیل خانے کے رفیقو‘‘۔ (فتح محمد جالندھری)

’’اے دو یارو قید خانے کے‘‘۔ (شاہ رفیع الدین)

’’اے رفیقو بندی خانے کے‘‘۔ (شاہ عبدالقادر)

''اے زنداں کے ساتھیو''۔(سید مودودی)

(۲) يَاصَاحِبَيِ السِّجْنِ (یوسف:۴۱)

''اے میرے جیل کے دونوں ساتھیو''۔(امین احسن اصلاحی)

''اے قید خانہ کے میرے دونوں ساتھیو''۔(محمد حسین نجفی)

''اے میرے قید خانے کے رفیقو''۔(محمد جونا گڑھی)

''اے قید خانہ کے دونوں ساتھیو''۔(احمد رضا خان)

''میرے جیل خانے کے رفیقو!''۔(فتح محمد جالندھری)

''اے دو یارو قید خانے کے''۔(شاہ رفیع الدین)

''اے رفیقو بندی خانے کے''۔(شاہ عبدالقادر)

''اے زنداں کے ساتھیو''۔(سید مودودی)

(۱۷۹) انکار کا ترجمہ

عربی کے انکار اور اردو کے انکار میں فرق ہوتا ہے۔ اردو کے انکار کے لیے قرآن مجید میں عام طور سے کفر اور جحود کی تعبیریں آئی ہیں۔

عربی میں انکار کا مطلب ہوتا ہے نہ پہچاننا، انجان ہو جانا، انجان بن جانا، بیگانگی کا رویہ اختیار کرنا۔

راغب اصفہانی لکھتے ہیں: الإنكَارُ ضِدُّ العِرفَانِ۔ (المفردات فی غریب القرآن)

فیروزآبادی لکھتے ہیں: أنكَرَهُ واستَنكَرَهُ وتَناكَرَهُ، جَهِلَهُ۔ (القاموس المحیط)

جوہری لکھتے ہیں، النُكِرة، ضد المعرفة. وقد نَكِرتُ الرجلَ بالكسر نُكراً ونُكوراً، وأَنكَرتُهُ واستَنكَرتُهُ، بمعنًى۔ (الصحاح تاج اللغة وصحاح العربیة)

قرآن مجید میں لفظ انکار کے مشتقات کئی جگہ استعمال ہوئے ہیں۔ جہاں نہ پہچاننے کا مفہوم بالکل واضح اور متعین ہے وہاں تو سبھی لوگوں نے نہ پہچاننے کا ترجمہ کیا ہے، لیکن جہاں انکار کرنے کا مفہوم بھی نکل سکتا ہے وہاں بہت سے لوگوں نے انکار کرنا اور منکر ہونا ترجمہ کر دیا

ہے۔اس طرح کے مقامات پر انگریزی میں بھی denyاور reject ترجمہ کیا گیا ہے۔
کسی چیز کو نہ پہچاننے سے اس کا انکار بطور نتیجہ سامنے آسکتا ہے، اس لیے کبھی کبھی اس پر بھی اس کا اطلاق ہوجاتا ہے۔لیکن وہ اصل اطلاق نہیں ہے۔
درج ذیل دونوں آیتوں میں منکرون کاف پر زبر کے ساتھ مجہول استعمال ہوا ہے، اور دونوں جگہ انجانے لوگ مراد ہیں۔

قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ مُنْكَرُونَ۔ (الحجر:۶۲)

''اس نے کہا آپ لوگ تو اجنبی معلوم ہوتے ہیں''۔(امین احسن اصلاحی)

قَوْمٌ مُنْكَرُونَ (الذاریات:۲۵)

''(اور دل میں کہا کہ) یہ تو اجنبی لوگ معلوم ہوتے ہیں''۔(امین احسن اصلاحی)

درج ذیل آیت میں منکرون کاف پر زیر کے ساتھ معروف استعمال ہوا ہے، اور اس کا مفہوم نہ پہچاننے والے کا ہے۔

وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنْكِرُونَ (یوسف:۵۸)

''اور یوسف کے بھائی (کنعان سے مصر میں غلّہ خریدنے کے لیے) آئے تو یوسف کے پاس گئے تو یوسف نے ان کو پہچان لیا اور وہ ان کو نہ پہچان سکے''۔(فتح محمد جالندھری)

اس کے علاوہ درج ذیل آیت میں منکرون کا لفظ آیا ہے، اور اس سے قبل لم یعرفوا رسولھم آیا ہے، اس لیے کچھ لوگوں نے یہاں بھی لفظ کی اصل کے مطابق ترجمہ کیا ہے:

أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنْكِرُونَ (المومنون:۶۹)

''یا انہوں نے اپنے رسول کو نہ پہچانا تو وہ اسے بیگانہ سمجھ رہے ہیں''۔(احمد رضا خان)

''یا یہ اپنے رسول سے کبھی کے واقف نہ تھے کہ (ان جانا آدمی ہونے کے باعث) اُس سے بدکتے ہیں؟''۔(سید مودودی)

''یا یہ اپنے پیغمبر کو جانتے پہچانتے نہیں، اس وجہ سے ان کو نہیں مانتے''۔(فتح محمد جالندھری)

''یا انہوں نے اپنے پیغمبر کو پہچانا نہیں کہ اس کے منکر ہو رہے ہیں؟''۔(محمد جونا گڑھی)

''یا انہوں نے اپنے رسول کو پہچانا نہیں اس وجہ سے اس کے منکر بنے ہوئے ہیں''۔(امین احسن اصلاحی)

پہلے دونوں ترجموں میں لفظ کا لحاظ موجود ہے۔اسی طرح دیگر انگریزی ترجموں کے مقابلے میں درج ذیل دونوں ترجمے لفظ کے مطابق ہیں:

Or is it, perchance, that they have not recognized their Apostle, and so they disavow him? (Asad)

Or did they not know their Messenger, so they are toward him disacknowledging? (Saheeh International)

لفظ انکار سے مشتق ہونے والے الفاظ ذیل کی آیتوں میں بھی آئے ہیں، البتہ یہاں ترجمہ کرتے ہوئے عام طور سے لوگوں نے انکار کرنا ترجمہ کر دیا ہے۔اور اس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہاں انکار کا ترجمہ کرنے میں کوئی معنوی رکاوٹ نہیں ہے۔تاہم مناسب تو یہی ہے کہ لفظ کی اصل کا لحاظ کرتے ہوئے ترجمہ کیا جائے، اگر اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہو۔

(۱) وَهَٰذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ أَنزَلْنَاهُ أَفَأَنتُمْ لَهُ مُنكِرُونَ (الأنبياء:۵۰)

''اور اب یہ بابرکت "ذکر" ہم نے (تمہارے لیے) نازل کیا ہے پھر کیا تم اِس کو قبول کرنے سے انکاری ہو؟''۔(سید مودودی)

''اور یہ ہے برکت والا ذکر کہ ہم نے اتارا تو کیا تم اس کے منکر ہو''۔(احمد رضا خان)

And this [Qur'an] is a blessed message which We have sent down. Then are you with it unacquainted? (Saheeh International)

And [like those earlier revelations,] this one, too, is a blessed reminder which We have bestowed from on high: will you, then, disavow it? (Asad)

This is a blessed Reminder that we have revealed: Will ye then reject it? (Pichthall)

موزوں ترجمہ ہوگا:

''اور اب یہ بابرکت ذکر ہم نے نازل کیا ہے پھر کیا تم اِس سے بیگانہ رہوگے؟''۔

(۲) إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ قُلُوبُهُمْ مُنْكِرَةٌ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ (النحل:۲۲)

''تمہارا معبود تو اکیلا خدا ہے۔ تو جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل انکار کر رہے ہیں اور وہ سرکش ہو رہے ہیں''۔ (فتح محمد جالندھری)

موزوں ترجمہ ہوگا:

''تمہارا معبود تو اکیلا خدا ہے۔ تو جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل بیگانہ بنے ہوئے ہیں اور وہ سرکش ہو رہے ہیں''۔

خاص اس مقام پر فارسی کے دو معروف ترجموں میں بھی لفظ کا حق ادا کیا گیا ہے:

''دلہائے اینہا ناشناسندہ اند''۔ (سعدی شیرازی)

''دل ایشاں ناشناس است''۔ (شاہ ولی اللہ)

(۳) يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ اللَّهِ ثُمَّ يُنْكِرُونَهَا وَأَكْثَرُهُمُ الْكَافِرُونَ (النحل: ۸۳)

''یہ اللہ کے احسان کو پہچانتے ہیں، پھر اس کا انکار کرتے ہیں اور اِن میں بیش تر لوگ ایسے ہیں جو حق ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں''۔ (سید مودودی)

''اللہ کی نعمت پہچانتے ہیں پھر اس سے منکر ہوتے ہیں اور ان میں اکثر کافر ہیں''۔ (احمد رضا خان)

''یہ اللہ کی نعمتیں جانتے پہچانتے ہوئے بھی ان کے منکر ہو رہے ہیں، بلکہ ان میں سے اکثر ناشکرے ہیں''۔(محمد جونا گڑھی)

They [who turn away from it] are fully aware of God's blessings, but none the less they refuse to acknowledge them [as such], since most of them are given to denying the truth. (Asad)

They recognize the favor of Allah; then they deny it. And most of them are disbelievers. (Saheeh International)

موزوں ترجمہ ہوگا:

''یہ اللہ کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں، پھر اس سے انجان بنتے ہیں، اور ان میں اکثر ناشکرے ہیں''۔ (امین احسن اصلاحی)

اس آیت میں انکار کا لفظ بھی آیا ہے اور کفر کا بھی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں انکار کفر سے مختلف معنی میں استعمال ہوا ہے۔

(۴) وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَأَيَّ آيَاتِ اللَّهِ تُنكِرُونَ (غافر: ۸۳)

''اللہ اپنی یہ نشانیاں تمہیں دکھا رہا ہے، آخر تم اُس کی کن کن نشانیوں کا انکار کرو گے''۔(سید مودودی)

''اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تو اللہ کی کون سی نشانی کا انکار کرو گے''۔(احمد رضا خان)

''اللہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا جا رہا ہے، پس تم اللہ کی کن کن نشانیوں کے منکر بنتے رہو گے''۔ (محمد جونا گڑھی)

And He shows you His signs. So which of the signs of Allah do you deny? (Saheeh International)

And [thus] He displays His wonders before you: which, then, of God's wonders can you still deny? (Asad)

موزوں ترجمہ ہوگا:

''اللہ اپنی یہ نشانیاں تمہیں دکھا رہا ہے، آخر تم اُس کی کن کن نشانیوں سے انجان بنے رہو گے''۔

''اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے، آخر تم اللہ کی کون سی نشانی کو نہیں پہچانتے''۔(محمد فاروق خان)

(۵) وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَفْرَحُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمِنَ الْأَحْزَابِ مَنْ يُنْكِرُ بَعْضَهُ (الرعد: ٣٦)

''اے نبیؐ، جن لوگوں کو ہم نے پہلے کتاب دی تھی وہ اِس کتاب سے جو ہم نے تم پر نازل کی ہے، خوش ہیں اور مختلف گروہوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اس کی بعض باتوں کو نہیں مانتے''۔(سید مودودی)

''جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ تو جو کچھ آپ پر اتارا جاتا ہے اس سے خوش ہوتے ہیں اور دوسرے فرقے اس کی بعض باتوں کے منکر ہیں''۔(محمد جونا گڑھی)

موزوں ترجمہ ہوگا:

''اے نبیؐ، جن لوگوں کو ہم نے پہلے کتاب دی تھی وہ اِس کتاب سے جو ہم نے تم پر نازل کی ہے، خوش ہیں اور مختلف گروہوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اس کی بعض باتوں سے انجان بن رہے ہیں'۔

(۱۸۰) نکروالها عرشها کا ترجمہ

قَالَ نَكِّرُوا لَهَا عَرْشَهَا (النمل: ۴۱)

''سلیمانؑ نے کہا انجان طریقے سے اس کا تخت اس کے سامنے رکھ دو''۔(سید مودودی)

’’اس نے حکم دیا کہ اس کے تخت کی شکل بدل دو‘‘۔(امین احسن اصلاحی)

’’سلیمان نے کہا کہ ملکہ کے (امتحان عقل کے) لیے اس کے تخت کی صورت بدل دو‘‘۔(فتح محمد جالندھری)

’’حکم دیا کہ اس کے تخت میں کچھ پھیر بدل کر دو‘‘۔(محمد جوناگڑھی)

مولانا امانت اللہ اصلاحی اس جملے کا عام ترجموں سے مختلف اس طرح ترجمہ کرتے ہیں:

’’اس نے کہا: انجان بن کر اس کے تخت کا اس کے سامنے ذکر کرو‘‘۔

ان کے نزدیک اس کے بعد فلما جاءت قیل أھکذا عرشك ’’پس جب وہ آئی تو اس سے سوال کیا گیا کہ کیا تمہارا تخت ایسا ہی ہے‘‘ دراصل نکروا لھا عرشھا والے حکم کی تعمیل ہے۔

(۱۸۱) انذار کا ترجمہ

قرآن مجید میں نذر کے مادے سے انذار منذر اور نذیر کا کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ انذار تبشیر کے ساتھ اور منذر مبشر کے ساتھ کئی مقامات پر آیا ہے۔ جب کہ نذیر کا ذکر کئی جگہ بشیر کے ساتھ ہوا ہے۔ انذار اور تبشیر میں قدر مشترک خبر دینا ہے، جس طرح تبشیر کا مطلب ایسی خبر دینا ہے جس میں خوشی موجود ہو، اسی طرح انذار کا مطلب بھی خبر دینا ہے، لیکن ایسی خبر جس میں ڈراوا موجود ہو۔ گویا دونوں الفاظ اصل میں خبر دینے کے لیے آتے ہیں، البتہ دونوں خبروں کی نوعیت الگ الگ ہوتی ہے۔

عربی لغت کی مستند ترین کتابوں کی تصریحات ملاحظہ ہوں:

ونَذَر القومُ بالعَدُوِّ أی عَلِموا بمسیرہ (العین)

اَلْإِنْذَارُ الإِبْلَاغُ، وَلَا يَكَادُ يَكُونُ إِلَّا فِي التَّخْوِيفِ (مقاییس اللغۃ)

وَالإِنْذارُ إخبارٌ فيه تخويف، كما أنّ التّبشير إخبار فيه سرور. (المفردات فی غریب القرآن)

الانذار الابلاغ، ولا یکون إلا فی التخویف (الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ)

وأَنْذَرَهُ بالأَمْرِ إنذاراً ونَذْراً، ويُضَمُّ وبضمتينِ ونَذِيراً أَعْلَمَهُ، وحَذَّرَهُ، وخَوَّفَهُ فی

إِبْلاغِه (القاموس المحيط)

بہت سے اردو تراجم میں انذار کا ترجمہ ڈرانا کیا گیا ہے، انذار میں ڈرانے کا مفہوم موجود ہے، لیکن صرف ڈرانا نہیں، بلکہ ڈرانے والی خبر دینا ہے۔

ڈرانے اور خبردار کرنے میں فرق ہے، جس طرح خوش خبری دینے اور خوش کرنے میں فرق ہے۔ برے انجام سے خبردار کرنے کا دائرہ وسیع ہوتا ہے، جس میں برے انجام کے اسباب اور اس سے بچنے کے طریقوں کی خبر دینا بھی شامل ہوتا ہے۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں کہیں بھی تخویف کے لفظ کو (جس کا مطلب ڈرانا ہوتا ہے) رسولوں کی طرف منسوب نہیں کیا گیا ہے، خلاصہ یہ کہ انذار کا صحیح ترجمہ ڈرانا نہیں بلکہ خبردار کرنا ہے۔ ذیل میں قرآن مجید کی کچھ آیتوں کے ترجمے پیش کیے جائیں گے، جہاں انذار، منذر اور نذیر جیسے الفاظ کا استعمال ہوا ہے۔

(۱) إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَى قَوْمِهِ أَنْ أَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔ قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُبِينٌ (نوح:(۲-۱)

"تحقیق بھیجا ہم نے نوح کو طرف قوم اس کی کے یہ کہ ڈرا قوم اپنی کو پہلے اس سے کہ آوے ان کو عذاب درد دینے والا۔ کہا اے قوم میری تحقیق میں واسطے تمہارے ڈرانے والا ہوں ظاہر"۔ (شاہ رفیع الدین)

"ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم کی طرف کہ ڈرا اپنی قوم کو اس سے پہلے کہ پہنچے ان پر دکھ والی آفت، بولا اے قوم میری میں تم کو ڈر سنانے والا ہوں کھول کر"۔ (شاہ عبدالقادر)

"ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف بھیجا (اس ہدایت کے ساتھ) کہ اپنی قوم کے لوگوں کو خبردار کر دے قبل اس کے کہ ان پر ایک دردناک عذاب آئے، اس نے کہا "اے میری قوم کے لوگو، میں تمہارے لیے ایک صاف صاف خبردار کر دینے والا (پیغمبر) ہوں"۔ (سید مودودی)

(۲) فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنْذِرَ بِهِ قَوْمًا لُدًّا (مریم:۹۷)

''پس سوا اس کے نہیں کہ آسان کیا ہے ہم نے اس قرآن کو ساتھ زبان تیری کے تو کہ بشارت دے ساتھ اس کے پرہیزگاروں کو اور ڈراوے ساتھ اس کے قوم جھگڑنے والوں کو''۔(شاہ رفیع الدین)

''سو ہم نے آسان کیا یہ قرآن تیری زبان میں اسی واسطے کہ خوشی سنادے تو ڈر والوں کو اور ڈرادے جھگڑالو لوگوں کو''۔(شاہ عبدالقادر)

''تو ہم نے یہ قرآن تمہاری زبان میں یونہی آسان فرمایا کہ تم اس سے ڈر والوں کو خوشخبری دو اور جھگڑالو لوگوں کو اس سے ڈر سناؤ''۔(احمد رضا خان)

''پس ہم نے اس کتاب کو تمہاری زبان میں اس لیے سہل و سازگار بنایا کہ تم خدا ترسوں کو بشارت پہنچا دو اور جھگڑالو قوم کو آگاہی سنادو''۔(امین احسن اصلاحی)

(۳) رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ (النساء:۱۶۵)

''بھیجے ہم نے پیغمبر خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والے''۔(شاہ رفیع الدین)

''کتنے رسول خوشی اور ڈر سنانے والے''۔(شاہ عبدالقادر)

''ہم نے انہیں رسول بنایا ہے، خوشخبریاں سنانے والے اور آگاہ کرنے والے''۔(محمد جونا گڑھی)

''یہ سارے رسول خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے تھے''۔(سید مودودی)

''اللہ نے رسولوں کو خوش خبری دینے والے اور ہوشیار کرنے والے بنا کر بھیجا''۔(امین احسن اصلاحی)۔

''یُبُنَیَّ، تَعَلَّمْ حُسْنَ الْاِسْتِمَاعِ کَمَا تَعَلَّمُ حُسْنَ الْحَدِیْثِ''

''جانِ پدر، جس طرح تم بات کرنے کا سلیقہ سیکھتے ہو اسی طرح بات سننے کا بھی سلیقہ سیکھو۔''

ایک بدو کی اپنے بیٹے کو نصیحت

قریش کا نظامِ ایلاف

ایک معاہدہ جس نے عرب کی تاریخ اور قسمت بدل دی

تحریر: ولید فکری/ترجمہ: تنویر آفاقی

یا أیها الرجل المُحَوِل رَحله　　　　هلا نَزلت بآل عبد منافِ

الآخذون العهد من آفاقهم　　　　والراحلون برحلة الإيلافِ

یہ اشعار مطرود بن کعب الخزاعی کے ہیں۔ اس میں اس نے ایک ایسی اصطلاح کا ذکر کیا ہے جس کے بارے میں ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ قرآنی آیت لإيلاف قريش،إيلافهم رحلة الشتاء والصيف کا ایک جزو ہے۔ ان اشعار میں اس نے ماقبل اسلامی تاریخ کے ایک بڑے اور تاریخی واقعے کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ آئیے دیکھیں کہ اس واقعے کی حقیقت کیا ہے اور اس پر گفتگو کو تازہ کرنے کا فائدہ کیا ہے؟

'ایلاف' پر گفتگو کرنے سے پہلے ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ ان تاریخی حالات کا سرسری جائزہ پیش کر دیا جائے جن حالات میں یہ نظامِ ایلاف' وجود میں آیا تھا۔ جزیرہ عرب اس وقت سیاسی اعتبار سے تین حصوں میں بٹا ہوا تھا۔ جنوب میں مملکت حِمیَر تھی، جو حبشیوں کی گھس پیٹھ کی کوششوں سے جوجھ رہی تھی اور بعد میں حبشیوں نے اس پر مکمل قبضہ کر بھی لیا تھا۔ شمال کی جانب عراق میں بلاد فارس کی تابع مملکت'الحیر ہ' اور بازنطینیوں کی مملکت غساسنہ تھی۔ جنوب اور شمال کے مابین وہ علاقہ تھا جس میں وہ قبائل آباد تھے جو کسی ایک شاہی نظام یا بیرونی حکومت کے تابع رہنے پر مجبور تھے۔ مثال کے طور پر مکہ میں قریش کا قبیلہ تھا، مدینہ میں اوس اور خزرج وغیرہ کے قبائل تھے یا پھر بدوؤں کے وہ گروہ آباد تھے جو تنگ حالی کی زندگی بسر کر رہے تھے اور تنگ حالی نے ان میں سے بیشتر کو چوری

ڈکیتی اور قافلوں کی لوٹ مار کا پیشہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

جنوبی عرب حمیریوں اور حبشی حکومت (ایتھوپیا) کے درمیان جنگی کشمکش کی وجہ سے سلگ رہا تھا کیوں کہ حبشہ یمن پر حملہ آور تھا۔ شمالی عرب فارسیوں اور بازنطینیوں کے درمیان جاری جنگ کی آگ میں جھلس رہا تھا جو دونوں کے درمیان یا تو براہِ راست ہو رہی تھی یا ان کے ایجنٹوں، یعنی الحیرہ اور غساسنہ کے توسط سے جاری تھی۔ قطعِ نظر اس سے کہ تجارتی قافلوں پر اس صورت حال کے کیا منفی اثرات پڑ رہے تھے، اس کی وجہ سے سامان تجارت بعض علاقوں تک نہیں پہنچ پا رہے تھے، کیوں کہ کسی ایک جنگجو فریق کو اس کے راستوں پر تسلط حاصل تھا۔ اس صورت حال کا سامنا خاص طور سے ان سامان تجارت کو تھا جو ہندستان اور وسطی ایشیا سے آتے تھے۔ چنانچہ یہ ضروری تھا کہ کوئی ایسا فریق ہو جو ان تمام فریقوں سے 'دوستی' کر لے تا کہ تجارتی نقل وحمل جاری رہنے کی ضمانت فراہم ہو سکے اور اس کشمکش کا کوئی منفی اثر نہ پڑے۔ انہی حالات کے پیشِ نظر پانچویں صدی عیسوی کے نصف میں نظامِ 'ایلاف' کا تصور ظہور میں آیا۔

تصوّر کے خالق۔ ہاشم بن عبد مناف

ہاشم بن عبد مناف بن قصی کو سرداری اپنے والد سے ورثے میں ملی تھی۔ ان کے دادا قصی وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے مکہ پر قریش کی سرداری قائم کی تھی۔ قصی سے یہ سرداری مناف کو اور مناف سے ہاشم کو ملی۔ ہاشم مکہ کی محدود تجارت سے خوش اور مطمئن نہیں تھے جس کا انحصار ان مقامی بازاروں پر تھا جو محترم مہینوں کے دوران لگا کرتے تھے۔ محترم مہینوں کے دوران لگنے کی وجہ یہ تھی کہ دشمنوں کے حملوں اور قبضے سے محفوظ رہ سکیں۔ ان بازاروں کی تجارت بازاروں میں شریک ہونے والے قبائل کی ذاتی مصنوعات تک ہی محدود رہتی تھی۔

ظاہر ہے کہ مکہ کوئی صنعتی شہر نہیں تھا، لیکن اس کے اندر یہ صلاحیت تھی کہ وہ 'بیرونی تجارت کے لیے کار آمد شہر' بن جائے۔ اس کے بہت سے اسباب تھے۔ مثلاً یہ شہر شمال- جنوب کے تجارتی راستوں کے عین درمیان واقع تھا۔ ایک سبب یہ بھی تھا کہ حج کے ایام میں عرب یہاں جمع ہوتے

تھے اور اہل عرب قریش کو'اہل اللہ' ہونے کے ناطے'بزرگ' مانتے تھے کیوں کہ وہ کعبہ کے خادم تھے اور عربوں کے مقدس ترین قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔

مکہ زبردست اقتصادی بحران اور غذا کی شدید کمی سے دو چار ہوا تو ہاشم بن عبد مناف نے فیصلہ کیا کہ اپنے شہر (مکہ) کے حالات کو تبدیل کرنے کی کوشش کریں گے۔ ہاشم کا معمول شام کے تجارتی اسفار پر جانے کا تھا۔'غزہ' کے بازار میں بھی جاتے تھے اور کبھی کبھی شمال کے بازاروں مثلاً'بصریٰ' کے بازاروں میں بھی جایا کرتے تھے۔ روایات یہ بھی بتاتی ہیں کہ ہاشم شام کے بازاروں میں داخل ہوتے تو ہر روز ایک جانور ذبح کر کے ہر قافلے کے لیے کھانے کا بندوبست کیا کرتے تھے۔ ان کا یہ عمل نگاہوں کو متوجہ کرنے والا تھا۔ آخر کار ان کے اس عمل کی خبر قیصرِ روم تک پہنچی اور اس نے ہاشم کو حاضر کرنے اور ان سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ قیصر سے چند ملاقاتوں کے بعد، جن کے دوران قیصر ان کی شخصیت سے بہت متاثر ہوا تھا، ہاشم نے بازنطینی حاکم کے سامنے تجویز پیش کی کہ وہ انہیں ایک خط لکھ کر دے دے جو مکہ سے آنے والے تجارتی قافلوں کے لیے شام کے دروازے کھول دے اور شام کے جو علاقے بازنطینیوں کے ماتحت ہیں ان میں مکی تاجروں کو آنے جانے کی سہولت بھی فراہم کر دے۔ اسی طرح ان پر جو ٹیکس عائد کیا جاتا ہے اس میں بھی رعایت دے دے اور بازنطینی لوگ بھی اپنے تجارتی سامان کے ساتھ عرب کے بازاروں میں اس ضمانت پر آنے جانے لگیں کہ ہاشم بن عبد مناف مکہ اور شام کے درمیانی راستوں کو ان بازنطینی تاجروں کے لیے مامون و محفوظ بنا دیں گے۔ قیصر سے ہاشم بن عبد مناف کی گفتگو کے الفاظ یہ تھے"باشاہ سلامت! میری قوم کے لوگ تجارت پیشہ ہیں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو ایک خط لکھ دیں جو ان کی تجارت کو مامون بنا دے۔ اس کے بدلے میں وہ آپ کو حجاز کا بہترین چمڑا اور کپڑا پیش کریں اور آپ کے یہاں اسے بیچا جائے۔ یہ کرنا آپ کے لیے بہت آسان ہوگا۔"

'ایلاف' کا پہلا مرحلہ

اس اختلاف سے قطعِ نظر کہ ہاشم نے راست قیصر سے ملاقات کی تھی یا اس کے کسی شامی گورنر سے،

بہر حال وہ یہ خط لے کر واپس آئے۔ یہ خط انہوں نے ان تمام قبائل کو دکھایا جو شام اور مکہ کے درمیان تجارتی راستوں پر آباد تھے۔ انہوں نے ہر قبیلے کے سامنے یہ پیش کش رکھی کہ شام کی طرف جانے والا [تجارتی] قافلہ ان کے زائد از ضرورت سامانوں کھجوروں اور کھالوں وغیرہ کو کوئی کرایہ لیے بغیر شام کے بازاروں میں لے جائے گا۔ اس سامان کو شام میں بیچے گا، پھر اصل سرمایے اور مکمل منافع کے ساتھ انہیں لوٹا دے گا۔ اس کے بدلے میں ان کے زیر اثر علاقوں سے گزرتے ہوئے ہر قبیلے کو [تجارتی] قافلے کی حمایت و خدمت کی ذمہ داری اپنے سر لینی ہوگی۔ اور اگر قبیلے کے پاس تجارت کرنے کے لیے کوئی سامان نہیں ہوگا تو وہ قبیلہ مال کے بدلے اس قافلے کی حفاظت کرے گا۔"

چنانچہ ہاشم کو اس معاہدے پر قبائلی سردار کی منظوری حاصل ہوگئی، جسے عربوں کی زبان میں 'حصل علی حبل منہم' کہا جاتا ہے۔ جو اس بات کا اشارہ ہوتا ہے کہ دونوں کے درمیان ایک معاہدہ قائم ہو چکا ہے۔ یہیں سے مکہ کے اس دور کا آغاز ہوا جس میں وہ جزیرہ عرب کے اندر شامی تجارت کا اہم مرکز بن گیا، بلکہ بازنطینی تاجر مکہ کی طرف جوق در جوق آنے لگے اور مکہ کے سردار کو یہاں کے بازاروں میں اپنی تجارت اور حمایت و خدمت کے حصول کے بدلے میں دسواں حصہ ٹیکس کے طور پر ادا کرنے لگے۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ بازنطینی اس معاہدے کو محض تجارتی فائدے کی نظر سے ہی نہیں دیکھتے تھے، بلکہ بازنطینی حکومت نے جزیرہ عرب کے عین درمیان اپنی تجارت کے راستے کھولنے کو ان جاسوسوں کے لیے بھی استعمال کیا جنہیں وہ ان علاقوں کی خبریں حکومت تک منتقل کرنے کے لیے بھیجا کرتی تھی۔ اس طرح وہ خاص طور سے اہل فارس کی جانب سے پیش آنے والی تشویش ناک حرکتوں سے آگاہ رہتی تھی۔

'ایلاف' کا دوسرا مرحلہ

شہر 'غزہ' کی جانب ایک سفر میں ہاشم کا انتقال ہو گیا تو ان کے بقیہ بھائیوں؛ بنو عبد مناف یعنی عبد شمس، نوفل اور مُطَّلب نے ہاشم کے اس اہم منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ [اس سلسلے میں]

عبد شمس نے حبشہ کا رخ کیا اور نجاشی سے ملاقات کر کے اس کے سامنے وہی پیش کش رکھی جو ہاشم نے قیصرِ روم کے سامنے رکھی تھی۔ نتیجے کے طور پر انہیں بھی اسی طرح کا معاہدہ کرنے میں کامیابی ہو گئی اور مکی تاجروں کے لیے بازارِ حبشہ کے دروازے کھل گئے۔ نوفل نے بلاد فارس کا سفر کیا اور کسری اور ملوکِ 'الحیرہ' سے اسی طرح کا معاہدہ کیا۔ اس نے عراقی بازاروں کے دروازے وا کر دیے۔ رہے مُطّلب تو وہ یمن کے قبائلی سرداروں کے درمیان سرگرم تھے، جہاں کے سرداروں نے مطلوبہ معاہدے پر اپنی رضامندی دے دی تھی۔ مُطَّلب کا یہ وہ اقدام تھا جس میں یمن کے تغیر پذیر حالات کے بارے میں ان کے فہم و فراست کی جھلک نظر آتی ہے۔ کیوں کہ اس خطے میں مقامی سرداریوں کے اثر و رسوخ کے مقابلے میں مرکزی اقتدار ڈھل مل حالت میں تھا۔ ہر بھائی نے جب پڑوسی ممالک کی حکومتوں سے معاہدہ کر لیا تو اس متعلقہ ملک اور مکہ کے درمیان پڑنے والے تجارتی راستوں پر قابض قبیلوں سے ملاقاتیں کرنے اور اسی طرح کا 'حبال' حاصل کرنے میں لگ گئے جیسا اس سے پہلے ہاشم نے حاصل کیا تھا۔

یہیں سے قریش اس حال میں پہنچ گئے کہ تجارت کے لیے ان کے دو قافلے روانہ ہوتے تھے۔ ایک گرمیوں میں جس کا رخ شام کی طرف ہوتا تھا اور دوسرا سردیوں میں جس کا رخ یمن کی جانب ہوتا تھا۔ یہ وہ دو تجارتی اسفار ہیں جن کی طرف قرآنی آیت 'رحلۃ الشتاء والصیف' میں اشارہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ بیرونی اموال تجارت مکہ میں آ کر جمع ہوتے تھے پھر وہیں سے وہ موسم کے لحاظ سے جنوب یا شمال کی جانب لے جائے جاتے تھے، اس کے علاوہ قریشیوں کے روایتی بازاروں مثلاً عکاظ میں بھی وہ سامان رکھا جاتا تھا۔ ایک تجارتی قافلہ ۱۵۰۰ سے ۲۵۰۰ اونٹوں پر مشتمل ہوا کرتا تھا جو جزیرہ عرب کے اندرونی سامان تجارت، مثلاً اون، کپڑے، اسلحے اور کھالیں یا باہر سے بار آمد کیا ہوا سامان مثلاً عطر، ہندستانی بخور، مصر کے بُنے ہوئے لینین کے کپڑے اور شام کی مشہور شرابیں وغیرہ لے کر عراق، شام، یمن تک جایا کرتے تھے۔

'ایلافِ قریش' کے نتائج

اس میں اختلاف ہے کہ آیا ان تمام بھائیوں نے اپنی مذکورہ کوششیں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ایک ہی وقت میں انجام دی تھیں، یا ایک بھائی کی موت کے بعد دوسرے بھائی کو جب سرداری ملی تو اپنی سرداری کے زمانے میں ہر بھائی نے اپنے حصے کا کام انجام دیا تھا، بہرحال اس نظامِ ایلاف نے جزیرہ عرب میں تجارت کو ایک نئی چھلانگ سے ہم کنار کیا تھا۔ اس نظام نے یہ ضمانت فراہم کر دی تھی کہ جنگوں اور جھڑپوں کی وجہ سے سامانِ تجارت کا سلسلہ منقطع نہیں ہوگا، کیوں کہ مکہ باہم برسرِ پیکار تمام قوتوں کے درمیان مرکز اور 'میڈییٹر' بن گیا تھا، جس کا کام سیاسی تغیرات سے متاثر ہوئے بغیر ایک کا مالِ تجارت دوسرے تک پہنچانا تھا۔

اسی طرح تجارتی راستوں پر قابض قبائل نے بھی 'اس رشتہ معاہدہ' کی پاس داری کی جس نے عبد مناف کو اپنے اندر پوشیدہ فائدوں سے مالا مال کیا، بلکہ اس کی پروڈکشن اور سرمایے میں بھی اضافہ کیا جس کی وجہ سے قافلوں میں شراکت سے حاصل ہونے والے منافع میں بھی اضافہ ہوا۔

اس کے علاوہ جزیرہ عرب میں یمنی، فارسی اور بازنطینی تجارت کی وجہ سے ان کی کرنسیاں رائج ہوگئیں، جس کے پیشِ نظر زرمبادلہ کی سرگرمیاں بھی پروان چڑھیں۔ اس طرح اہل مکہ زرمبادلہ کے کاموں سے واقف ہوئے اور اس سے کافی کچھ سیکھا۔ اس نے جزیرۂ عرب کے باہر سے آنے والے اموال تجارت کو [مقامی بازاروں میں] رائج کرنے میں آسانی پیدا کر دی۔ چنانچہ مصر کا سامان تجارت شام کے راستے سے آنے لگا، حبشہ کا سامان تجارت بحر احمر کے راستے سے آنے لگا اور ہندوستان سے جانے والا مالِ تجارت یمن کے راستے سے پہنچنے لگا۔ اس طرح بحر احمر کی بندرگاہوں مثلاً ینبع اور جدہ کی بندرگاہوں پر بھی تجارتی سرگرمیاں عروج پر پہنچ گئیں۔

بیرونی تجارت میں شرکت کے سلسلے میں اہل مکہ کی دلچسپی بھی بڑھ گئی تھی۔ چنانچہ بیرونی تجارت میں ان کی شرکت مکہ کے اہل ثروت لوگوں تک ہی محدود نہیں رہی تھی، بلکہ وہ چھوٹے گروہ بھی اپنی جمع پونجی کے ساتھ یا سود پر قرض لے کر اس میں حصہ لے رہے تھے جو دولت مندی کے اعتبار سے بہت کم تر

تھے۔ اس طرح یہ چیز سودخوروں کے منافع میں بھی اضافے کا سبب بن رہی تھی۔ بعض قبائل نظام ایلاف کے تحت داخل ہونے کے لیے زور لگانے لگے خواہ وہ ان راستوں پر آباد نہ رہے ہوں جو تجارت کے عام راستے تھے۔ اس کا محرک منافع حاصل کرنے کی خواہش کے ساتھ ساتھ 'ایلافی' خطوں سے اپنے قافلوں کے گزرنے کی صورت میں ان کی حمایت و حفاظت سے مستفید ہونا تھا۔ اس کی وجہ سے تجارت کے نئے راستے اور نئے بازاروں کے دروازے کھلے۔ ان حالات میں قریشیوں کا اثر ورسوخ بھی اس حد تک بڑھا کہ قافلے کے آگے چلنے والے کسی مسافر کے لیے یہ کہہ دینا کافی ہوتا تھا کہ اس کا تعلق 'اہل حرم' سے ہے یا راستے میں کسی بھی قسم کی پریشانیوں سے خود کو محفوظ رکھنے کے لیے یہ کافی ہوتا تھا کہ وہ اپنی گردن میں ایک قلادہ ڈال لے جس پر شہر حرم (مکہ) کے کسی درخت کا ٹکڑا لگا ہوا ہو۔

آخری بات یہ کہ نظام ایلاف کے توسط سے قبیلوں اور خاندانوں کے درمیان باہمی تعامل نے بعض مشترک مفادات کے حصول کے لیے دوسرے جزوی معاہدوں کی راہ آسان کردی تھی۔ عرب کی قدیم تاریخ کا مطالعہ کرنے والے کو اس بات کا ادراک ہوجاتا ہے کہ 'ایلاف' کا نظام ایک وسیع چھلانگ تھی، کیوں کہ اس کا آغاز فریقین کے درمیان ایک ایسے منصوبے کے طور پر ہوا تھا جس کا ہدف ایک ملک کے اندر ایک قبیلے کی خدمت تھا۔ پھر اس منصوبے نے وسعت اختیار کی اور اس نے ایک وسیع تجارتی نیٹ ورک اور ایک عظیم انسانی سرگرمی کی شکل اختیار کرلی جس کا عمل دخل اقتصادیات، سیاسیات اور سماجی وثقافتی زندگی میں بہت گہرا ہوگیا تھا۔ چنانچہ نظام ایلاف سے پہلے عرب زندگی کے مختلف پہلوؤں کا محض جائزہ اور بعد کے حالات زندگی سے اس کا موازنہ ہی ہمیں اس نتیجے تک پہنچا دیتا ہے کہ اس نظام کے اثرات بہت عظیم تھے جنہیں ہم اس زمانے کے لحاظ سے اختراعی اور ایسا نظام کہہ سکتے ہیں جس نے اپنے تیار کردہ نیٹ ورک کے ذریعے مکہ کی ثقافت وتہذیب کو پورے علاقے تک پھیلادیا تھا۔

Source: https://raseef22.net/article/117445

مضمون کی تیاری میں درج ذیل کتب سے مدد لی گئی ہے۔

د. محمد سهيل طقوش: تاريخ العرب قبل الإسلام، الطبعة الأولي، بيروت: دار النفائس، 2009

د. جواد علي: المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام، الطبعة الثانية، بيروت، 1968

د. برهان الدين دلّو: جزيرة العرب قبل الإسلام، بيروت: دار الفارابي، 2004

د. حسين مؤنس: أطلس تاريخ الإسلام، الطبعة الثانية، القاهرة: الزهراء، 1987

آپ ﷺ داعیٔ اسلام ہونے کے ساتھ ساتھ أَوَّلُ الْمُسْلِمِين بھی تھے۔ آپ نے جس عقیدے، جس اصول اور جس ہدایت کی بھی دوسروں کو تلقین کی اس کے تقاضوں پر سب سے پہلے خود عمل کیا۔ آپ جس حق کے مبلغ تھے اس کی تبلیغ آپ نے بیک وقت اپنی زبان اور اپنے عمل، دونوں سے کی۔ اپنے ساتھیوں کو اگر یہ تاکید فرمائی کہ ذکرِ الٰہی اور حمد و تسبیح میں زیادہ سے زیادہ مشغول رہو تو دنیا نے آپ کو بھی سب سے پہلے اور سب سے زیادہ یادِ مولیٰ میں مشغول دیکھا۔ اگر دوسرے اہل ایمان کو آپ کی یہ نصیحت تھی کہ دشمنانِ حق کی پیہم ایذا رسانیوں کا صبر سے مقابلہ کرتے رہو تو ان کے سامنے خود بھی سراپا صبر و ثبات بنے رہے۔ جب زبانِ مبارک نے یہ اعلان کیا کہ ان ظالم دشمنوں کا اب ہاتھ سے مقابلہ کرو تو میدان جنگ کی طرف سب سے پہلے اٹھنے والے قدم آپ ہی کے تھے اور اگر کبھی غیر معمولی حالات پیدا ہو جانے کے باعث ساتھی میدان چھوڑ بیٹھے تو اس وقت بھی حق کا یہ ستون اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ جنگی ضرورت سے اگر خندقیں کھودنے کا فیصلہ ہوا تو دوسروں کی طرح آپ کے ہاتھوں سے بھی پھاوڑے چلتے دیکھے گئے۔ تنگ حالی کے عالم میں اگر اوروں کے پیٹ پر ایک ایک پتھر بندھے تھے تو دامنِ مبارک کے نیچے دو دو پتھر بندھے پائے گئے۔ غرض دینی احکام و ہدایت کا کوئی جزو نہیں اور بندگی کا کوئی پہلو نہیں جس میں آپ ﷺ کا اپنا عمل دوسروں کی رہنمائی کے لیے آگے آگے موجود نہ رہا ہو۔

(مولانا صدرالدین اصلاحی: سیرت رسول ﷺ کے دو اہم پہلو)

تزکیہ نفس کی عصری تفہیم
بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

مظہر جمیل رشیدی

UNESCO کے امن لٹریچر میں موجود یہ الفاظ "since wars begin in the minds of men, it is in the minds of men that the defences of peace must be constructed". ''چونکہ جنگیں لوگوں کے دماغ میں شروع ہوتی ہیں اسی لیے انسانی دماغ ہی سے ہمیں امن قائم کرنے کی کوششوں کا آغاز کرنا چاہیے۔'' ایک نفسیاتی حقیقت کو بتاتے ہیں۔ بلاشبہ انسانی دماغ ہی وہ کارخانہ (Factory) ہے جہاں مختلف قسم افکار وخیالات جنم لیتے ہیں۔

یہ افکار وخیالات نقصان دہ ہیں یا فائدہ مند، اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ کسی کی ذہنی فیکٹری کیسی ہے۔ تاریخ انسانی کا یہ ایک المیہ رہا ہے کہ وہ مطلوبہ Intellectual personalities پیدا نہیں کرسکی ہے۔ مطلوبہ نتیجہ برآمد نہ ہونے کی وجہ یہ رہی ہے کہ انسانی تاریخ میں Source of intellectual development سے رجوع ہی نہیں کیا گیا ہے۔ قرآن میں پیغمبرِ اسلام کی بعثت کا ایک بنیادی مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ وہ انسانی ذہنوں کا تزکیہ کرے۔ ارشاد باری ہے:

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولاً مِنْكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ۔ (البقرہ:۱۵۱)

'جس طرح (تمھیں اس چیز سے فلاح نصیب ہوئی کہ) ہم نے تمھارے درمیان خود تم میں سے ایک رسول بھیجا جو تمھیں ہماری آیات سناتا ہے تمھاری زندگیوں کو سنوارتا ہے تمھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔'

تزکیہ نفس حقیقت پسندی کا ہی دوسرا نام ہے

حقیقت پسندی یہ ہے کہ آدمی تخیلاتی دنیا سے باہر آ کر حقائق کی دنیا میں جینا سیکھے۔ وہ ان اصولوں پر اپنی زندگی کی تعمیر کرے جو ثابت شدہ اصول ہیں، نہ کہ ان اصولوں پر جو اس کے ذہنی اختراع کے نتیجے میں پیدا ہوئے ہیں۔ اور ان دو اصولوں میں تمیز پیدا کرنے کے لیے پیغمبرِ اسلام ﷺ کے دکھائے ہوئے آئینہ میں خود اپنا چہرہ دیکھنا بہت ضروری ہے۔ تاریخ اس امر پر شاہد ہے کہ جنھوں نے اپنے آپ کو پیغمبر اسلام ﷺ کے آئینۂ ہدایت میں سنوارا ہے ان کی پست ذہنی حالت ارتقاء ذہنی کا سفر ثابت ہوئی۔

پیغمبرِ اسلام جس سوسائٹی میں تزکیہ نفس کا مشن لے کر مبعوث ہوئے تھے اس سوسائٹی کی حالت یہ تھی کہ جب آپ نے ان لوگوں سے کہا کہ آج سے شراب پینا ممنوع ہو گیا، تو شراب کو پانی کی طرح بہا دیا گیا۔

حضرت ابونعمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں صحابہ کی ایک جماعت کو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھر شراب پلا رہا تھا کہ شراب کی حرمت نازل ہوئی۔ نبی کریم ﷺ نے منادی کو حکم دیا اور انہوں نے اعلان کرنا شروع کیا۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: باہر جا کے دیکھو یہ آواز کیسی ہے۔ بیان کیا کہ میں باہر آیا اور کہا کہ ایک منادی اعلان کر رہا ہے کہ‘أَلَا إِنَّ الْخَمْرَ قَدْ حُرِّمَتْ، فَقَالَ لِي اذْهَبْ فَأَهْرِقْهَا، قَالَ فَجَرَتْ فِي سِكَكِ الْمَدِينَةِ).’ (بخاری کتاب التفسیر، ۴۶۲۰)

’’خبردار ہو جاؤ، شراب حرام ہو گئی ہے۔ یہ سنتے ہی انہوں نے مجھ کو کہا کہ جاؤ اور شراب بہا دو۔ راوی نے بیان کیا، مدینہ کی گلیوں میں شراب بہنے لگی۔‘‘

انسانی تاریخ میں ایسی کوئی دوسری مثال پیش نہیں کی جا سکتی کہ جن لوگوں کا ذہنی ارتقاء اس درجہ کمال تک پہنچ گیا ہو کہ وہ اپنے محبوب ترین مشروب کو سڑک پر بہانے کے لیے بخوشی آمادہ ہو گئے ہوں۔ اگر رسول اللہ نے اس سوسائٹی کا ذہن purified نہ کیا ہوتا تو آج ہمیں تاریخ میں اندھیرے کے سوا کچھ دکھائی نہ دیتا۔ دوسری طرف پیغمبرِ اسلام ﷺ کو نظر انداز کر کے جہاں کہیں بھی

Intellectual development کی کوشش کی گئی وہ سراسر ناکام رہی ہے۔ ہر ملک اور خطہ میں قانون موجود ہے۔ مگر اس کے باوجود لاقانونیت کا مسئلہ بنا ہوا ہے۔ چناں چہ اس مسئلہ کا جواب پانے کے لیے اس طرح کی کتابیں لکھی جارہی ہیں The law in quest of it self: by L.L.Fuller۔[1]

وجہ یہ ہے کہ مقنن اور وہ لوگ جن کے لیے قانون بنایا گیا ہے دونوں میں سے کسی کا بھی شخصی ارتقاء نہیں ہوا ہے۔ شخصی ارتقاء یہ نہیں ہے کہ آپ کا دماغ سائنسی اور منطقی علوم کا انسائیکلوپیڈیا بن جائے۔ بلکہ شخصی ارتقاء یہ ہے کہ آپ حد درجہ حقیقت پسند بن گئے ہوں۔ بلا شبہ پیغمبر اسلام کے مخاطبین اعلیٰ دماغ رکھنے والے انسان تھے، مگر انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی اتباع سے انکار کیا۔ گو کہ وہ اپنے آپ کو عقل مند (Intellectual) کہتے تھے مگر قرآن نے ان کے اس دعویٰ کو رد کر دیا۔ یہود کو قرآن نے بیوقوف قرار دیا ہے، ارشاد باری ہے:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَٰكِن لَّا يَعْلَمُونَ۔ (البقرہ: ۱۳)

''جب بھی ان سے کہا گیا کہ جس طرح دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں، اسی طرح تم بھی ایمان لاؤ تو انھوں نے یہی جواب دیا کہ کیا ہم بیوقوفوں کی طرح ایمان لائیں؟ خبردار، حقیقت میں تو یہ خود بے وقوف ہیں۔ مگر یہ جانتے نہیں ہیں۔''

حقیقت پسندی کا تقاضا یہ ہے کہ آپ پیغمبرِ اسلام کے ہدایت نامہ کو اپنی زندگی کا جزء لاینفک بنائیں۔ آپ ان تمام سوشل اور پرائیویٹ معاملات میں ان اصول وضوابط پر عمل پیرا ہوں جس کا ایک جامع اور لاثانی مجموعہ پیغمبرِ اسلام نے آپ کو دیا ہے۔ آپ سماج میں ایک ایمان دار شخص بن کر رہیں۔ آپ اس موقع پر بھی سچ بولیں جب آپ جھوٹ بول کر مادی فوائد حاصل کر سکتے ہوں۔ آپ اس وقت امانتوں کو دیانتدارانہ طور پر واپس کر دیں جب آپ کے پاس امانتیں لے کر فرار ہونے کا

---

[1] بحوالہ: مولانا وحید الدین خاں، مذہب اور جدید چیلنج، گڈورڈ بک نئی دہلی ۲۰۱۱ ص ۱۸۳

موقع ہو۔آپ چیزوں کو حقیقی طور سے دیکھیں نہ کہ ویسا جیسا کہ آپ دیکھنا چاہتے ہیں۔آپ اس وقت بھی انصاف کرسکیں، جب آپ کسی اعلی عہدہ پر فائز ہوں، اورآپ کے اپنے بیٹے نے کوئی جرم کیا ہو تواس کی سزا خوداس کو دیں۔اسلامی تاریخ اس طرح کی قابل تقلید مثالوں سے بھری پڑی ہے۔مگر یہ سب اسی وقت ممکن ہے جب آپ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کو اپنے لیے'نمونہ عمل' بنانے پر آمادہ ہوجائیں۔دوسرا کوئی متبادل اس مطلوبہ تبدیلی کے لیے موجودنہیں ہے۔پیغمبرِ اسلام کواپنی روزمرہ کی زندگی سے خارج کرکے آپ Intellectual development کا تصورنہیں کرسکتے۔

یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ پیغمبرِ اسلام کو نظر انداز کرکے UNESCO انسانی دماغ سے Harmful افکار کا خاتمہ نہیں کرسکا۔ اس کے یہ الفاظ' جنگیں لوگوں کے دماغوں میں شروع ہوتی ہیں، اسی لیے انسانی دماغ ہی سے ہمیں امن قائم کرنے کی کوششوں کا آغاز کرنا چاہیے' صرف اس کے لٹریچر تک محدود ہے۔اس کا یہ ہدف کبھی واقعہ نہیں بن سکا۔کیوں کہ ذہنی ارتقاء کے لیے ایک ایسے شخص کی ناگریز ضرورت ہے جو فی الواقع ایک Purified personality رکھتا ہو۔UNESCO کے پاس انسانی ذہن کومزکی کرنے کے لیے نہ ایسی کوئی شخصیت موجود ہے اور نہ ہی کوئی دوسرا مؤثر ذریعہ۔تاہم یہ ناکامی صرف UNESCO تک محدودنہیں ہے۔ بلکہ ہر اس شخص اورقوم کواپنے گرفت میں لیے ہوئے ہے جس نے پیغمبرِ اسلام کے شخصی ارتقاء کے فارمولے کونظر انداز کیا ہے۔اگرآپ کے پاس ہدف کو پانے کا ذریعہ ہی نہ ہوتو اس خیالی ہدف کا واقعہ بننا اتنا ہی مشکل ہے جتنا رات میں سورج کا نکلنا۔حقیقت یہ ہے کہ جب تک انسانی ذہن کو Purified نہ کردیا جائے تب تک کسی بھی طرح کی مثبت تبدیلی یعنی شخصی ارتقاء کا سرے سے کوئی امکان ہی نہیں ہے۔

تاریخ ایسے فلاسفروں کی ایک طویل فہرست فراہم کرتی ہے جو اپنی تمام ترکوششوں اورفلسفیانہ نظریات کے باوجود انسانوں کا ذہنی ارتقاء کرنے میں ناکام رہےاوران کی ناکامی یہی پر ختم نہیں ہوجاتی، بلکہ جب وہ اپنی کوششوں کا کوئی مطلوبہ نتیجہ برآمد نہیں کرسکے تو انھوں نے انتہائی قدم

اٹھاتے ہوئے خودکشی کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ خودکشی کرنے کے لیے لوگوں کو فلسفیانہ رنگ میں ترغیب بھی دی۔ اس وحشیانہ ترغیب کو فلسفہ کے رنگ میں پیش کرنے والوں میں فیثا غورث، افلاطون، ارسطو اور اس جیسے کئی اہم فلسفیوں کے نام شامل ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے اس کتاب کو پڑھا جاسکتا ہے Better Off Dead: Suicide in Plato's Philosophy, by Anna Christensen, published by St. Louis, Washington Missouri May 2017۔ کچھ لوگوں نے شخصی ارتقاء کا مادی فارمولا ایجاد کیا۔ مگر تمام تر مادی ترقیات کے باوجود مطلوبہ نتیجہ برآمد نہیں ہوسکا۔ ان کے اس فارمولے کی ناکامی کے ثبوت کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے کہ امیر ترین لوگوں میں خودکشی کے واقعات تسلسل سے واقع ہوتے رہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مادی ترقیات کی زیادتی سے ذہنی ارتقاء کے فقدان (Lack of intellectual development) کو پورا نہیں کیا جاسکتا۔

آج کسی بھی انسان کا پیغمبرِ اسلام کی رہنمائی کے بغیر شخصی ارتقاء نہیں ہوسکتا۔ جس کو کچھ لوگ شخصی ارتقاء سمجھتے ہیں وہ دراصل 'فریبی ارتقاء' ہے نہ کہ شخصی ارتقاء۔ آخر اُسے کیسے شخصی ارتقاء کا نام دیا جاسکتا ہے کہ اپنے تمام تر مادی وسائل وذرائع کے باوجود مطلوبہ نتیجہ یعنی انسانی دماغ کو نقصان دہ دائرہ سے فائدمند دائرہ میں منتقل نہ کرسکتا ہو۔ تمام تر کوششوں کے بعد بھی تمام مسائل بدستور پہلے ہی کی طرح موجود ہوں؛ نہ ذہنی سکون نہ اچھا سماج نہ امن وامان۔

اس کے برعکس پیغمبر اسلام کی رہنمائی میں شخصیت کا ارتقاء اس طرح ہوتا ہے کہ وہ آپ کے ذہن کو اس حد تک purified کردیتا ہے کہ آپ Ideal state میں جانے والے افراد کی صف میں شامل ہوجاتے ہیں اور دنیا کے لیے نفع مند بن جاتے ہیں۔ جب آپ اپنی شخصیت کو مطلوبہ معیار میں تبدیل کرتے ہیں تب آپ موجودہ دنیا کو جنت بنا سکتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ پیغمبر کی بعثت کا بنیادی مقصد تطہیر نفس تھا۔ اسی لیے ہمیں بھی اسی پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے پیغمبر کو اپنے مخاطب کے سامنے پیش کرنا چاہیے۔ ہمارے یہاں پیغمبر اسلام کی شخصیت کو اس طرح نمایاں کیا جاتا

ہے کہ وہ بہت خوب صورت انسان تھے۔ ان کا چہرہ اتنا زیادہ نورانی تھا کہ رات کے اندھیرے میں حضرت عائشہؓ سوئی میں دھاگا ڈال لیتی تھیں۔ یہ ایک بے اصل بات ہے۔[1]

یہاں رسول اللہ ﷺ کا کسی بھی درجہ میں کسی بھی فضیلت، مقام اور حسن و جمال کا انکار نہیں ہے۔ بلکہ یہاں صرف مقصد بعثت رسول ﷺ کے 'تطہیر نفس' کے پہلو کی طرف توجہ دلانے کی کوشش ہے۔ اس پہلو کو نظر انداز کرنے کا نقصان یہ ہوا کہ لوگوں کو پیغمبر شخصی ارتقاء کے لیے موزوں معلوم ہی نہیں ہوا۔ چہرے کی خوب صورتی اور اس کا پر رونق ہونا اضافی باتیں ہیں۔ ان باتوں کا پیغمبری کے اصل مقصد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ حضرت یوسف علیہ السّلام بہت خوب صورت تھے۔ مگر اس کے باوجود ان پر ایمان لانے والوں کی تعداد بہت مختصر ہے۔ جب حضرت یوسف کی خوب صورتی کی بنیاد پر کسی کو قائل نہیں کیا جا سکا تو پھر رسول اللہ ﷺ کے جسمانی خدو خال پر صلاحیتیں صرف کرنا ایک غیر دانشمندانہ بات ہے۔ یہ ایک عظیم ترین شخصیت کو کمزور ترین انداز سے بیان کرنے کے ہم معنی ہے۔

Personality development تعلیم و افکار کے ذریعہ ہوتی ہے نہ کہ جسمانی خوب صورتی کے ذریعہ۔ ابو محمد الحریری (۱۰۵۴-۱۱۲۲) کی کتاب 'مقامات حریری' اعلی پایہ کی کتاب ہے اور بہت سے مدارس میں شامل نصاب ہے۔ محمد الحریری شکل و صورت اور قدو قامت میں اچھا نہ تھا۔ ایک اجنبی شخص کافی دور سے اس سے ملنے کے لیے آیا۔ اس نے حریری کو قبیح المنظر پایا جب کہ اس کے ذہن میں حریری کا ایک خوبصورت چہرہ تھا۔ حریری اس کی اس نا بیان کردہ کیفیت کو سمجھ گیا۔ اس نے حریری سے کچھ اشعار لکھوانے کی درخواست کی۔ حریری نے اس کو یہ شعر لکھوا دیے:

ما أنت أول سار غره قمر .... ورائد أعجبته خضرة الدمن.....

فاختر لنفسك غيري إنني رجل مثل المعيدي فاسمع بي ولا ترني

رات کو نکلنے والا تو پہلا شخص نہیں ہے جس کو چاند نے دھوکا دیا ہو۔ اور نہ ایسے رہبر و رہنما ہو جس کو گندگی کا

---

[1] طارق امین خان، غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ، حصہ اول زم زم پبلی کیشن کراچی پاکستان ۲۰۱۳ ص ۱۵۴

سبزہ اچھا لگا ہو۔

سوتم اپنے لیے میرے علاوہ کسی اور کو پسند کرلو۔ اس لیے کہ میں معیدی (بری شکل وہیبت والے کی طرح ہوں) تم مجھے دیکھو نہیں صرف سنا کرو۔[1] انگریزی میں اس کو اس طرح تعبیر کیا جاتا ہے:

Beauty is not in the face; beauty is a light in the heart.

جب ایک غیر پیغمبر کی ادبی تصنیف کا لوگ اس کی اچھی شکل وصورت نہ ہونے کے باوجود اعتراف کر سکتے ہیں، تو پھر رسول اللہ ﷺ کی تعلیم وافکار کے قائل تو بہ آسانی ہو سکتے ہیں کیوں کہ آپؐ کی تعلیم تو سب سے زیاد عمدہ اور غیر متبدل تعلیم ہے۔ اسی لیے غیر ضروری باتوں کو نمایاں کرنے کی بجائے آپؐ کے ذریعہ بتایا گیا زندگی گزارنے کا وہ فلسفہ جو دنیا وآخرت میں کامیابی کی ضمانت ہے، اس کو متعارف کرایا جائے۔ جب ایسا ہوگا تو لوگوں کو معلوم ہوگا کہ وہ جس شخصی ارتقاء کی تلاش میں ہیں، اس کا جواب ان کو محمد ﷺ کے فارمولے میں مل گیا ہے۔

---

[1] مولانا صادق الامین عزیزی، دروسِ مقامات، مکتبہ الاسلام کراچی پاکستان ص ۲۱

حرفِ دانش

"میری رائے درست ہے اور میرے حریف کی غلط، تاہم اس کے درست ہونے کا بھی امکان ہے۔ میرے حریف کی رائے غلط ہے اور میری صحیح، تاہم اس کے غلط ہونے کا بھی امکان ہے۔"

(امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ)

مدارس میں تحقیق وتصنیف کے شعبے میں زوال وانحطاط: ایک لمحہ فکریہ

ڈاکٹر وارث مظہری

مدارس کے نصاب ونظام میں اصلاح کی بحث مدتوں سے جاری ہے۔اس حوالے سے گفتگو کا ایک موضوع مدارس میں تصنیف وتحقیق کی صورت حال ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اس حوالے سے مدارس کے نظام میں سب سے زیادہ گراوٹ آئی ہے۔مدارس سے اٹھنے والی نئی نسل کے اندر اس کا ذوق نہایت پست اور کمزور ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس کا دائرہ تحریر وتصنیف صرف چند سطحی موضوعات تک سمٹ کر رہ گیا ہے۔اکثر مدارس پر صرف نصابی سرگرمیاں حاوی ہیں۔غیر نصابی سرگرمیوں کا دائرہ نمایاں طور پر تقریر کی مشق تک محدود ہے۔نتیجے کے طور پر مدارس سے غالب تعداد میں یا تو مدرسین پیدا ہو رہے ہیں یا مقررین یا پھر شرح نگار۔ان کے علاوہ ایک تعداد مسلکی اور گروہی چپقلش پر خامہ فرسائی کرنے والوں کی ہے۔دوسرے موضوعات کے لیے جو تعداد بچتی ہے وہ نہایت درجہ قلیل ہے اور اس میں بھی اقل وہ تعداد ہے جو سنجیدہ، علمی اسلوب میں علمی تحقیق وتصنیف کا کام کر رہی ہو۔حیرت کی بات یہ ہے کہ کئی کئی دہائیوں سے حدیث، تفسیر اور فقہ کی بڑی بڑی کتابیں پڑھانے والی شخصیات، مدارس کی دنیا میں جن کے نام کا سکہ چلتا ہے، وہ بھی ابتدائی درسی کتابوں کی شرح وحاشیہ نگاری کو ممتاز علمی وتصنیفی کام تصور کر بیٹھی ہیں۔ان کے ممتاز تلامذہ کا حلقہ انھیں یہ باور کرانے کے لیے کافی ہے کہ یہ'لاثانی' اور'لافانی' کام انھی کا خاصہ ہے۔اور تجنیلٹی، تخلیقی فکر اور تازہ کاری جو موجودہ علمی سرمایے میں اضافے کا باعث ہو اور جس سے قافلہ علم کو آگے بڑھنے کے لیے توانائی حاصل ہو، ایسے کام کی مثالیں مدارس کے حلقوں میں خال خال ہی نظر آتی ہیں۔

مدارس سے شائع ہونے والے رسائل ومجلات پر ایک نظر ڈالیے۔اداریہ سے لے کر اختتامیہ

تک اکثر رسائل ومجلات محض عوام کے تیسرے اور چوتھے صف کے لوگوں کی دینی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے نظر آتے ہیں۔ بالکل وہی کام جو مجلسی ملفوظات اور اسٹیج کی تقریروں سے لیا جاسکتا ہے، ان پرچوں سے لیا جاتا ہے۔

مدارس کے حلقوں سے جن موضوعات پر کتابیں چھپ رہی ہیں ان کے سرسری جائزے سے جو نقشہ سامنے آتا ہے وہ کچھ اس طرح ہے:

درسیات ومتعلقات درسیات	۶۰ تا ۶۵ فیصد
دینیات: (فتاوی واحکام، اصلاح وتبلیغ، تذکرہ وسیرت) ۱۵ تا ۱۷ فیصد	
وعظ وتقریر، ملفوظات ومکتوبات	۱۰ تا ۱۲ فیصد
مسلکی تنازعات، تعویذات وعملیات	۹ تا ۱۰ فیصد
علمی وتحقیقی کتابیں (بہ مشکل)	۱ فیصد
متفرقات	۳ تا ۴ فیصد

یہ جائزہ مدارس کے حلقوں خصوصاً دیوبند میں چھپنے والی کتابوں کی تمام بڑی اور اہم فہرستوں کو سامنے رکھ کر کیا گیا ہے۔ اس میں بعض چھوٹے موضوعات کو بڑے موضوعات جیسے تصوف کو ملفوظات و مکتوبات اور سیرت کو اصلاح وتبلیغ، لغات وغیرہ کو متعلقات درسیات میں شمار کرلیا گیا ہے۔ اس طرح باقی دوسرے موضوعات متفرقات کے ذیل میں ہیں۔ یہاں یہ بات ذہن میں رکھنی ضروری ہے کہ

”مدارس میں یا تو سرے سے تصنیف وتحقیق کا کوئی شعبہ نہیں ہے یا اگر ہے تو اسے لائق وفاضل افراد مشکل سے میسر آتے ہیں۔ اس کی وجہ مدارس کا وہ بند ماحول ہے جس میں تخلیقی فکر رکھنے والے اہل قلم کے لیے خود کو ایڈجسٹ کرنا آسان نہیں ہوتا۔“

دیوبند دینی کتابوں کا ہندوستان میں سب سے بڑا مرکز ہے اور مدارس کے حلقوں کا نمائندہ ہے۔ ہندوستان کے کونے کونے تک یہاں سے دینی، درسی کتابیں پہنچتی ہیں۔ اگرچہ میرے خیال میں ہندوستان میں پھیلے مدارس کے اہم حلقوں، دارالعلوم ندوۃ العلماء، مدرسۃ الاصلاح اور جامعۃ الفلاح، بریلوی مکتب فکر، اہل حدیث، اہل تشیع وغیرہ کی نشریات ومطبوعات کا بھی جائزہ لیا جانا چاہیے تاکہ علمی و فکری سرگرمیوں اور اکیڈمک ارتقا کا زیادہ ہمہ گیری اور صحت کے ساتھ اندازہ ہوسکے۔ مجموعی طور پر تمام مسالک ومکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے مدارس کی صورت حال کم وبیش یکساں ہے۔ میری نظر میں اس صورت حال کے متعدد اسباب ہیں: بنیادی سبب مطمح نظر کی محدودیت ہے۔ در اصل مدارس کے ارباب حل وعقد نے مدارس کے مقاصد کو محض چند امور تک محدود کردیا ہے، یعنی روز مرہ کے مذہبی مسائل میں عوام کی رہنمائی اور روایتی حدود و قیود کے ساتھ اسلامی ثقافت کے مظہر کو سماجی سطح پر محفوظ وبرقرار رکھنے کی کوشش کرنا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس کے لیے آٹھ سال کے عرصے میں دس سے زائد علوم کی تحصیل کی ضرورت کیا ہے؟ اس ذمہ داری کی ادائیگی کے لیے روزمرہ کے شرعی مسائل کی ضروری واقفیت کے ساتھ دوتین سال کی دینی تربیت کافی ہے۔ مدارس اور دوسرے فکری وعلمی حلقوں کے درمیان کوئی باضابطہ رشتہ اور تال میل قائم نہ ہوسکا۔ اس کے برعکس دونوں اداروں میں چپقلش کی فضا قائم ہوگئی جس میں دونوں ہی اداروں کی کمزوریاں شامل ہیں۔ البتہ ارباب مدارس کی طرف سے

”علمی تحقیق کا بڑا اور وسیع کام زیادہ بہتر طور پر علمی پروجیکٹوں کی شکل میں انجام دیا جاتا ہے۔“

دینی ودنیاوی علوم کے تصور نے اس تفریق اور دوری میں خصوصی کردار ادا کیا۔

مدارس مخصوص خانوادوں میں سمٹ کررہ گئے یا دوسرے لفظوں میں ان پر مخصوص خاندانوں کی اجارہ داری قائم ہوگئی۔ انہوں نے نشر واشاعت کے حوالے سے اپنی توجہ اپنے آباء واجداد کے کارناموں کو اجاگر کرنے پر صرف کردی۔ چناں چہ انہی کے سوانح وتذکرے، خطبات وملفوظات، تصنیفات و تالیفات شائع ہونے لگیں اور انھی پر علمی نشستوں اور سیمیناروں کا انعقاد ہونے لگا۔

نصاب کی محدودیت کی وجہ سے ہمارے علماء مدارس کی چہار دیواری میں سمٹتے چلے گئے۔ اس طرح سماجی تبدیلیوں سے بے خبری کے ساتھ علوم وافکار کے میدانوں میں ہونے والی حالیہ پیش رفت سے وہ مکمل طور پر ناآشنا رہے۔ محنت اور صلاحیت سے متصف لوگوں کے لیے معاشی مسائل ان کے پاؤں کی زنجیر بن گئے۔ بے صلاحیت مقررین اسٹیج کی تقریروں کے ذریعے اعزازیے اور تحائف وصول کرنے لگے تو ان لوگوں نے طلبہ کو اپنی تدریس سے زیادہ اپنی مطبوعہ شروحات کی طرف متوجہ کیا اور اس طرح پہلے طبقے کی برابری کی کوشش کی۔ اب حقیقی معنوں میں ان درسی کتابوں کی شروحات لکھنے والوں اور کتابوں کے ناشرین میں جیسے ایک دیدہ یا نادیدہ سازباز کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ جن کتابوں کی ایک درجن شروحات پہلے سے موجود ہیں ان کی شروحات لکھنے کا سلسلہ جاری ہے۔

مدارس میں یا تو سرے سے تصنیف وتحقیق کا کوئی شعبہ نہیں ہے یا اگر ہے تو اسے لائق وفاضل افراد مشکل سے میسر آتے ہیں۔ اس کی وجہ مدارس کا وہ بند ماحول ہے جس میں تخلیقی فکر رکھنے والے اہل قلم کے لیے خود کو ایڈجسٹ کرنا آسان نہیں ہوتا۔ اس گراوٹ کی ایک وجہ فضلاء مدارس کی اکثریت کا ایک زبان (شمالی ہند کے تناظر میں اردو) پر انحصار اور عالمی مغربی زبانوں اور خود عربی سے عدم واقفیت ہے۔ زبان کے تعلق سے عربی پوری طرح موجودہ علمی تقاضوں کے لیے کافی نہیں ہوسکتی تاہم اس سے ایک حد تک اس خلا کو پر کیا جاسکتا ہے جو اردو کے تعلق سے موجود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عربی موجودہ دور میں اردو سے زیادہ جمہوری اور سیکولر ہے۔ اردو بنیادی طور پر شمالی ہند کے مسلم معاشرے کی روحانی زبان ہوکر رہ گئی ہے۔ ایسی باتیں تلخ وترش تنقید برداشت کے بغیر مشکل سے ہی

لکھی جاسکتی ہیں، جو اہل مدارس کے مزاج وطبیعت کے مطابق نہ ہوں۔

علمی تحقیق وتصنیف کا بڑا اور وسیع کام صرف افراد کے ذاتی شوق وجذبے کی بنیاد پر ہی انجام نہیں دیا جاسکتا۔ زیادہ بہتر طور پر وہ علمی پروجیکٹوں کی شکل میں انجام دیا جاتا ہے۔ ماضی میں امراء اور شاہوں کے عطیات نے بہت سی چھپی دبی صلاحیتوں کو ضخیم کتابوں کی شکل میں منتقل ہونے کا موقع دیا۔ آج مغربی دنیا میں اس مقصد کے لیے بڑے بڑے ادارے، کارنیگی فاؤنڈیشن، فورڈ فاؤنڈیشن، فل برائٹ وغیرہ موجود ہیں جو علمی وتحقیقی کاموں کو باضابطہ پروجیکٹوں کی شکل میں انجام دیے جانے کے لیے ضروری وسائل فراہم کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے اندر اس قسم کے ادارے معدوم ہیں۔ مدارس کی بڑی تعداد کے لیے سالانہ بجٹ کی فراہمی ہی ایک مسئلہ ہوتی ہے۔ تاہم بڑے مدارس جن کا سالانہ بجٹ کروڑوں میں ہے، کم از کم اپنے فاضلین کو علمی پروجیکٹوں میں مصروف کرنے کے لیے بجٹ کا ایک حصہ مختص کر سکتے ہیں۔ مدارس کے حلقوں میں موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق دانشمندی (اسکالرشپ) کے فروغ اور فاضلین مدارس اور علماء میں اکیڈمک ریسرچ کا صحیح شعور بیدار کرنے کے لیے منصوبہ بند اقدامات کی ضرورت ہے۔

مدارس کے مجموعی ماحول کو اس طرح ترتیب دینا کہ مدارس کی نئی نسل کا صرف کتاب پڑھنے پڑھانے پر ہی انحصار نہ ہو اور وہ صرف اس کی ہی اہمیت سے واقف نہ ہو۔ بلکہ یہ بات اس کے شعور کا حصہ بن سکے کہ مطالعہ کا مقصد محض علم کے دائرے کو وسیع کرنا اور ترقی دینا نہیں بلکہ فکر کے دائرے کو بھی وسیع کرنا اور اسے ترقی دینا ہے۔

علم کے لیے جس تجسس اور تازہ کاری کے لیے جس تخلیقی فکر کی ضرورت ہے وہ حقیقت میں مدارس میں رائج نصاب سے حاصل نہیں ہوتی۔ مدارس کے نصاب میں سوشل

> مدارس میں علم وتحقیق کا ماحول پیدا کرنے اور معیار بلند کرنے کے لیے ان کے پورے نظام ونصاب کے حقیقت پسندانہ اور معروضی جائزے کے ساتھ منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔

اسٹڈیز اور زبان کی سطح پر خصوصی تبدیلی و اصلاح کی ضرورت ہے۔ زبان کے تعلق سے انگریزی کو باضابطہ نصاب کے اصل دھارے میں شامل کرنے اور ہر طالب علم کے لیے کم وبیش میٹرک کی سطح تک کی انگریزی زبان کی واقفیت کو لازمی قرار دیا جانا چاہیے۔ آج کی ضروریات اور تقاضوں کو کل کے اکابر واسلاف سے مقابلہ کر کے دیکھا نہیں جا سکتا۔

تمام بڑے مدارس میں تحقیقی اکیڈمیاں اور مراکز قائم کی جائیں۔ بعض مدارس میں ایسے مراکز محض دکھاوے کے لیے ہیں۔ ان سے زیادہ سے زیادہ ادارے کے بانیان و اکابر کی یا ان سے متعلق، اور دوسری صورت میں گروہی چپقلش پر مبنی مواد شائع کیے جاتے ہیں۔ اس طرح علم کی یہ آواز یا تو اپنی ہی چہار دیواری میں گونج کر رہ جاتی ہے یا پھر وہ اتنی بھونڈی ہوتی ہے کہ اس چہار دیواری سے باہر اس کو سننے والا اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیتا ہے۔

اس مقصد کے حصول کے لیے غیر نصابی سرگرمیوں میں مختلف چیزوں پر توجہ اور ارتکاز کی ضرورت ہے۔ جیسے، ماہرین اصحاب علم کے ذریعہ ہفتہ وار، پندرہ روزہ یا ماہانہ محاضرے کا پروگرام، تقریری مجالس کی طرح تحریری مقابلوں کا پروگرام، مختلف موضوعات پر اوپن ڈسکشن کا اہتمام وانتظام، ملک اور ملک سے باہر مختلف زبانوں میں شائع ہونے والے اہم رسائل ومجلات کی کٹیلاگ سازی اور طلبہ کو ان کی فراہمی، مرکزی لائبریری میں ضروری بنیادی کتابوں کے ساتھ نئی شائع ہو کر منظر عام پر آنے والی کتابوں کا ذخیرہ جن سے طلبہ بہ آسانی اور بروقت استفادہ کر سکیں۔ اس طرح طلبہ میں تحریری ذوق کو ابھارنے کے لیے سالانہ سطح پر طلبہ کی تحریری کوششوں پر انعامات دینے کے علاوہ ان پر بھی نمبر دیے جانے چاہییں اور انہیں سالانہ مارک شیٹ میں بھی شامل کیا جانا چاہیے۔ طلبہ کی تحریری و صحافتی تربیت کے لیے مدارس میں باضابطہ اس کے شعبے اور تربیتی مراکز کھولنے کی ضرورت ہے۔

دیواری رسائل کے علاوہ طلبہ کے لیے مختص باضابطہ طبع ہونے والے رسائل بھی ہونے چاہییں جن میں ان کی تخلیقات شائع ہوں، پھر ان کی منتخب تحریروں کو کتابی شکل میں شائع کیا جانا چاہیے۔ اسی طرح اخیر کے دو سالوں میں بالترتیب ہر سال میں کم از کم ۵۰ اور ۱۰۰ صفحات پر مشتمل تحقیقی مقالے

طلبہ سے لکھوائے جانا چاہییں اوران پر حاصل ہونے والے نمبر کو سالانہ امتحان کے مجموعی نمبر زمیں شامل کیا جانا چاہیے۔[1]

تمام بڑے مدارس میں کم از کم سال میں ایک مرتبہ کسی اہم اجتماعی دلچسپی کے حامل موضوع پر سیمینار کا انعقاد کیا جانا چاہیے۔ اس میں اہم علماء اور دانشوروں کے علاوہ قدیم باصلاحیت فضلاء کو مدعو کیا جانا چاہیے تاکہ طلبہ کی نئی نسل ان سے سیکھ سکے اور ان کے نقش راہ کو اپنانے کی کوشش کر سکے۔

یہ اور اس طرح کے اقدامات اور کوششوں کے ذریعہ مدارس کے اندر اسلامی اسکالرشپ کے گرتے ہوئے معیار کا علاج ڈھونڈا جا سکتا ہے۔ مدارس کے لیے سب سے بڑا مسئلہ ان کی خود اطمینانی کی یہ ذہنیت ہے کہ مدارس میں سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہی نہیں، بلکہ اعلیٰ معیار کے مطابق ہے۔ اس لیے ان سے اس سے اوپر کی توقع کرنا غلط اور بے جا ہے۔ یہ ذہنیت علم میں اضافے اور فکر میں نمو کے لیے تجسس واضطراب کی اسپرٹ کو ختم کر دیتی ہے۔

بہر حال مدارس میں علم و تحقیق کے معیار کی گراوٹ وقتی نہیں ہے کہ اس کے علاج کے لیے کوئی فوری پروگرام یا پیکیج تیار کر لیا جائے۔ اس کے لیے مدارس کے پورے نصاب و نظام کے حقیقت پسندانہ اور معروضی جائزے کے ساتھ منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ تبھی یہ مدارس عام درسگاہوں کی طرح محض پیشہ ورانہ انداز میں پڑھنے پڑھانے والے ادارے کی حیثیت سے اوپر اٹھ کر حقیقی معنوں میں علم وفضیلت اور فکر وتحقیق کے اعلیٰ اور اساسی اداروں کی حیثیت سے موجودہ دور کی نمائندگی اور مسلم و غیر مسلم معاشروں پر اپنے اثرات قائم کر سکنے کے لائق ہو سکتے ہیں۔

●◘●

---

[1] جامعۃ الفلاح کی عالمیت اور فضیلت کے آخری سال کے طلبہ وطالبات سندِ عالمیت / سندِ فضیلت کے حصول کے لیے ایک مقالہ لکھنے کے پابند ہیں۔ مقالہ عالمیت میں عربی یا اردو یا انگلش میں کم از کم پچاس صفحات پر اور فضیلت میں عربی میں سو صفحات پر مشتمل ہوتا ہے۔ (مدیر)

اسلام کا تصور روحانیت

محمد اشہد فلاحی

اسلام کا تصور روحانیت بنیادی طور پر درج ذیل دو سوالوں کے جوابات سے متعلق ہے:

۱۔ انسان اصلاً ایک روحانی وجود ہے یا مادی وجود یا وہ بیک وقت مادی اور روحانی دونوں حیثیتوں کا مالک ہے۔

۲۔ اگر انسان بیک وقت مادی اور روحانی دونوں حیثیتوں کا مالک ہے تو پھر اگلا سوال یہ ہے کہ کیا مادہ اور روح ایک دوسرے کے مخالف اور معاند عناصر ہیں کہ ایک کی موجودگی میں دوسرے کے لیے نمو و ارتقاء کا کوئی امکان موجود نہیں ہے یا پھر معاملہ اس کے برعکس ہے اور روح اور مادہ ایک دوسرے کے مخالف و معاند ہونے کے بجائے ایک دوسرے کے معاون و موافق ہیں اور نہ صرف معاون و موافق ہیں بلکہ ایک کے بغیر دوسرے کی تکمیل اور ارتقاء بھی ممکن نہیں ہے؟ بنیادی طور پر یہی وہ سوال ہے جس کے جواب میں اسلامی تصور روحانیت اور دیگر مذہبی و روحانی مکاتب فکر کے تصوراتِ روحانیت کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔ روحانیت کے مذہبی اور فلسفیانہ نظریات کے مطابق مادہ اور روح ایک دوسرے کی ضد ہیں، ان کے مطالبات ایک دوسرے سے جدا اور ان کے مقتضیات ایک دوسرے سے مغائر ہیں۔ جسم و روح کی ترقی ایک ساتھ ممکن ہی نہیں ہے۔ انسان کا جسم وہ پنجرا ہے، جس میں روح کا پرندہ قید ہو کر رہ گیا ہے۔ دنیا کے معاملات و مسائل وہ ہتھکڑیاں ہیں، جن میں انسانی روح محبوس ہو گئی ہے۔ روحانیت اور دنیاداری کے راستے ایک دوسرے سے جدا جدا ہیں۔ مادی اور دنیوی ترقی کے خواہش مند کے لیے روحانیت کے باب میں ترقی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اگر اسے دنیاداری میں ترقی کرنی ہے تو اس سفر کے پہلے ہی قدم پر اسے اپنی روحانی ترقی سے مایوس ہو جانا چاہیے۔ اسی طرح روحانی ترقی کے خواہش مند کے لیے ضروری ہے کہ وہ دنیوی مسائل اور مادی علائق سے دست بردار ہو جائے، اپنی جسمانی ضروریات اور خواہشات کو جس حد تک

ممکن ہو دبا کر اور کچل کر رکھے۔ روحانی تربیت کے لیے جنگلوں پہاڑوں اور عزلت کے گوشوں میں جا بیٹھے۔ الغرض روحانیت کے مذہبی اور فلسفیانہ نظریات کے مطابق روح کی تربیت، تسکین اور ارتقاء کا کوئی بھی راستہ اس دنیا کے اندر سے ہو کر ہی نہیں جاتا۔ روحانیت اپنے لیے ہمیشہ اس راستے کے تلاش میں رہتی ہے، جو اس دنیا کے اوپر ہی سے اس طرح گزر جائے کہ ذرہ برابر بھی اسے دنیا داری کی ہوا نہ لگنے پائے۔

اس کے برعکس اسلام میں انسان کے روحانی ارتقاء کا راز دراصل اس دنیا میں اس کی منصبی ذمہ داریوں کی کما حقہ ادائیگی میں پنہاں ہے اور اسلام اس کائنات میں انسان کی جو حیثیت متعین کرتا ہے اس کی رو سے مادہ اور روح کو الگ الگ خانوں میں تقسیم کرنے کا خیال ہی سرے سے باطل ہو جاتا ہے۔ اسلام کی نگاہ میں انسان کی ہر وہ مادی ترقی جو اس کے وظیفۂ حیات کی بجا آوری اور خوشنودی رب کے حصول کی کوشش کے نتیجے میں حاصل ہو اپنے آپ میں روحانی ترقی کی بھی ضامن ہے۔ اسلام کی نگاہ میں روحانی ترقی کا کوئی ایسا راستہ نہیں ہے، جو دنیا کی اس آزمائش گاہ سے ہو کر نہ گزرتا ہو۔ اس کارگاہِ حیات سے کنارہ کش ہو کر حاصل کی جانے والی روحانی تعمیر و ترقی کو وہ رہبانیت قرار دیتے ہوئے پہلے ہی رد کر دیتا ہے۔

اسلام کی نگاہ میں وہی روحانیت قابل قبول ہے جو رہبانیت سے ممتاز اور مادیت کے جلو میں ہو اور اسی مادیت کو گوارا کیا ہے، جس کا مقصد روحانیت کا حصول ہو۔ اسلام میں روحانیت اور مادیت ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم اور تتمہ و تکملہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ واضح لفظوں میں یہ کہ اسلام میں کوئی مادیت ہے نہ روحانیت، بلکہ دین اسلام میں مادہ اور روح دونوں کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔

کائنات میں انسان کی حیثیت

جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے کہ اسلام میں بندے کا روحانی ارتقاء اس کی منصبی ذمہ داریوں کی ادائیگی سے وابستہ ہے، اس لیے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ اس کائنات میں انسان کی حیثیت اور اس کے

وجود کی غرض وغایت کیا ہے۔ جب انسان کی حیثیت اور اس کی غرض وغایت کا تعین ہو جائے گا تو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ اس کی روحانی ترقی کا راستہ کیا ہے۔ اس کائنات میں انسان کی جو حیثیت ہو گی اس کے روحانی ارتقاء کا طریقہ بھی اس کی اسی حیثیت کے موافق طے پائے گا۔ اس طرح اسلام میں انسان کی ہر طرح کی ذہنی، جسمانی اور روحانی ترقی کا اعتبار وہیں تک ہے جہاں تک وہ انسان کی منصبی ومقصدی حیثیت کے تقاضوں کی تکمیل میں ممد ومعاون ثابت ہو۔ لیکن اگر جسم وروح کے ارتقاء کا انحصار کسی ایسے وسیلے پر ہو جو انسان کی منصبی ومقصدی حیثیت کے تقاضوں سے مزاحم اور متصادم ہو تو اسلام کی نگاہ میں ایسا ارتقاء نہ مطلوب ہے نا پسندیدہ، بلکہ اس قابل ہے کہ فکر وعمل کی ہر سطح پر اس کی نفی کی جائے اور جواب میں جسم وروح کے ارتقاء کا وہی ماڈل پیش کیا جائے، جسے قرآن نے تزکیۂ نفس کی جامع اصطلاح سے موسوم کیا ہے۔ تزکیہ نفس کا یہ قرآنی تصور انسان کی مادی وروحانی ارتقاء کا وہ نقشہ پیش کرتا ہے جو دیگر نظام ہائے تزکیہ کی طرح انسان کو اس کی منصبی حیثیت سے معزول اور اس کے مقصد وجود سے بے پروا کر کے گوشوں اور عشرت کدوں میں بٹھانے کے بجائے انسان کو اس کی اصل حیثیت کے ادراک اور اس ادراک کے تقاضوں کی انجام دہی کے لیے ہمہ جہت طور پر تیار کرتی ہے۔ قرآن کے نظامِ تزکیہ پر بحث آئندہ صفحات میں ہوگی۔ سر دست یہ جان لینا ضروری ہے کہ قرآن کے مطابق انسان کا منصب اور مقصد وجود کیا ہے۔

اس کائنات میں انسان اپنے منصب کے اعتبار سے اللہ کا خلیفہ اور اپنے مقصد وجود کے اعتبار سے اللہ کا بندہ ہے ارشاد خداوندی ہے:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (البقرہ:۳۰)

(پھر ذرا اس وقت کا تصوّر کرو جب تمہارے ربّ نے فرشتوں سے کہا تھا کہ ’میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں‘۔ انہوں نے عرض کیا: ’کیا آپ زمین میں کسی ایسے کو مقرر کرنے والے ہیں، جو اس کے انتظام کو بگاڑ دے گا اور خونریزیاں کرے گا؟ آپ کی حمد وثناء کے ساتھ تسبیح اور آپ کے لیے تقدیس تو ہم کر

ہی رہے ہیں۔'فرمایا:'میں جانتا ہوں، جو کچھ تم نہیں جانتے۔')

وَمَا خَلَقتُ الجِنَّ وَالاِنسَ اِلَّا لِيَعبُدُونِ (الذاریات:۵۶)

(میں نے جِنّ اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔)

جس وقت انسان کو خلافت کے منصب سے سرفراز کیا جارہا تھا، اسی وقت انسان کو اس کی منصبی ذمہ داری سے بھی آگاہ کردیا گیا تھا۔ارشاد خداوندی ہے:

قُلنَا اهبِطُوا مِنهَا جَمِيعًا فَاِمَّا يَاتِيَنَّكُم مِّنِّى هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوفٌ عَلَيهِم وَلَا هُم يَحزَنُونَ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا اُولٰئِكَ اَصحٰبُ النَّارِ هُم فِيهَا خٰلِدُونَ (البقرہ:۳۸،۳۹)

(ہم نے کہا کہ 'تم سب یہاں سے اُتر جاؤ۔ پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے، تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے، ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا۔ اور جو اس کو قبول کرنے سے انکار کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے، وہ آگ میں جانے والے لوگ ہیں، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔)

یہ ارشاد الٰہی جہاں اور بھی بہت سے دینی حقائق پر مشتمل ہے وہیں خلافت الٰہی کی نوعیت کو اور اس کے مفہوم کو بھی پوری طرح عیاں کردیتا ہے، کیوں کہ یہ ٹھیک اسی وقت فرمایا گیا تھا جب انسان اپنے منصب کو سنبھال رہا تھا، اس لیے اس ارشاد کی حیثیت اس کے منصب کی نوعیت کی اور اس کی عملی ذمہ داریوں کی باضابطہ تعیین وتوضیح کی ہے [مولانا صدرالدین اصلاحی: دین کا قرآنی تصور، ص:۴۸] اور یہ جو کچھ ہے وہ صرف یہ کہ انسان اس دنیا میں اپنی آزاد مرضی چلانے کے لیے نہیں بلکہ اپنے اصل مالک کی مرضی پوری کرنے کے لیے پیدا اور مامور کیا گیا ہے اور اس کا کام اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہدایت کے مطابق ہی اپنی زندگی کا نقشہ بنائے اور جو قدم اٹھائے اسی کی روشنی میں اٹھائے۔ اپنے مقصد وجود یعنی فریضہ بندگی رب کی رو سے وہ اس بات کا مکلف ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کے حضور اپنے باطن میں بھی اور اپنے ظاہر میں بھی پوری طرح جھک جائے اور برابر جھکا رہے، اپنے آپ کو اس کی مرضیات کے حوالے کردے اور اس کے احکام و قوانین کا صدق دل سے پابند رہ کر زندگی گزارے۔

انسان اپنے منصبی و مقصدی دونوں حیثیتوں کے اعتبار سے اس بات کا مکلف ہے کی وہ اللہ کی طرف سے عطا ہونے والی ہدایت (الہدیٰ) کی ٹھیک ٹھیک پیروی کرے۔ٹھیک اسی طرز پر کرے جس کی اللہ تعالیٰ خود وضاحت فرمادی ہے، انہیں حدود کے اندر کرے جن کے نشانات اس نے خود لگادیے ہیں۔زندگی کے ان سبھی دائروں میں کرے جو اس مالک حقیقی نے خود کھینچ رکھے ہیں۔

جسم روح کا قید خانہ نہیں کارخانہ ہے

بحیثیت بندہ اور خلیفہ اللہ کی مرضیات کو پورا کرنے اور اس کی بھیجی ہوئی ہدایتوں کے مطابق زندگی کا نقشہ بنانے کے لیے انسانی روح کو جن قوتوں، قابلیتوں اور صلاحیتوں کی ضرورت تھی، اللہ تعالیٰ نے وہ سب اس کے خاکی وجود میں ودیعت کر دیں اور انسان کو اس کے مناسب حال ایسا بہترین اور موزوں ترین ساخت کا جسمانی پیکر عطا کیا جو اس کے منصبی اور مقصدی کی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں حارج اور مزاحم ہونے کے بجائے معاون اور مددگار ثابت ہو سکے۔اس کے لیے اللہ تبارک تعالیٰ نے اسے غور وفکر، استدلال و استنباط اور ایجاد و اکتشاف کی غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ارشاد ہے:

وَاللهُ اَخرَجَكُم مِّن بُطُونِ اُمَّهٰتِكُم لَا تَعلَمُونَ شَيئًا وَّ جَعَلَ لَكُمُ السَّمعَ وَالاَبصٰرَ وَالاَفئِدَةَ لَعَلَّكُم تَشكُرُونَ۔ (النحل:۷۸)

(اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا اس حالت میں کہ تم کچھ نہ جانتے تھے۔اُس نے تمہیں کان دیے، آنکھیں دیں، اور سوچنے والے دل دیے، اس لیے کہ تم شکر گزار بنو۔)

قُل هُوَ الَّذِى اَنشَاَكُم وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمعَ وَالاَبصَارَ وَ الاَفئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشكُرُونَ (الملک:۲۳)

(اِن سے کہو اللہ ہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، تم کو سُننے اور دیکھنے کی طاقتیں دیں اور سوچنے سمجھنے والے دل دیے، مگر تم کم ہی شکر ادا کرتے ہو۔)

اس جیسی دوسری بہت سی آیات اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ قرآن کریم کی نگاہ میں کان، آنکھ اور

دل یعنی سننے اور دیکھنے اور سوچنے سمجھنے کی قوتیں اللہ تعالیٰ کی غیر معمولی نعمتیں ہیں، جن سے انسان کو نوازا گیا ہے۔ یہی قوتیں انسانی علوم و معارف کا سرچشمہ ہیں۔ ان سے نوازے جانے کا مطلب یہ ہے کہ انسان تجربے، مشاہدے اور کشف حقائق کی صلاحیتوں سے نوازا گیا ہے۔

اپنی منصبی اور مقصدی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو کر خوشنودی رب کا سزاوار ٹھہرنے کے لیے ان ذمہ داریوں کے تقاضوں کو پورا کرنا ضروری ہے اور یہ ذمہ داریاں ظاہر ہے کہ انسانی زندگی کے مختلف شعبوں سے ہی وابستہ ہیں۔ اس لیے ان ذمہ داریوں کی ادائیگی کا راستہ اس دنیا کے باہر سے ہو کر نہیں، بلکہ کارگاہِ حیات کے عین منجدھار سے ہو کر گزرتا ہے۔ گھر، محلہ، بازار، منڈی، دفتر، کارخانہ، مدرسہ، کچہری، تھانہ، چھاؤنی، پارلیمنٹ اور میدان جنگ وغیرہ ہی زندگی کے وہ شعبے ہیں، جن کے اندر بندے کو اپنی ذمہ داریاں ادا کرنی ہیں۔ زندگی کے ان شعبوں کا نظام اللہ کی مرضیات کے مطابق قائم کرنے اور اسی کی مرضی کے مطابق ان سے استفادہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان اللہ کی طرف سے عطا کردہ اپنی ذہنی وجسمانی صلاحیتوں سے بھرپور مدد لے، اور یہ اس وقت ممکن ہے جب بندہ اللہ کی طرف سے حاصل ہونے والی سننے دیکھنے اور سوچنے سمجھنے کی قوتوں کا قدر شناس ہو، ان کو دبانے، کچلنے اور معطل رکھنے کے بجائے ان کو ترقی دینے اور پروان چڑھانے کی کوشش کرے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ بندہ اپنے جسم کو روح کا قید خانہ سمجھنے کے بجائے روح کا کارخانہ سمجھے اور اس کارخانے کے آلات اور طاقتوں کو استعمال کرکے اپنی قوتوں، صلاحیتوں اور قابلیتوں کو اپنی منصبی ذمہ داریوں کی انجام دہی میں بروئے کار لائے۔

روحانی ترقی کا حصول

دیگر مذہبی اور فلسفیانہ نظریات کے مطابق روحانی ترقی یہ ہے کہ انسان اپنے جسم کو فنا کرکے اپنی روح کو خدا کی ذات سے واصل کردے، جسے ان کے یہاں نظریہ حلول واتحاد کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس کے برعکس اسلام کی نگاہ میں روح کی ترقی کا سادہ سا مفہوم یہ ہے کہ بندے کو اپنے خدا کا قرب حاصل ہو جائے، وہ اپنے رب کی رضا و خوشنودی کا مستحق قرار پا جائے، جہنم سے بچ کر جنت کا سزاوار

ہوجائے، اسی کا نام اسلام کی نگاہ میں روحانی ترقی ہے۔ بندے کو خدا کا قرب اوراس کی رضا اس وقت حاصل ہوگی جب وہ زندگی کے ہر شعبے میں اللہ کی ہدایت کے مطابق عمل کرنے والا اور اپنے مقصدِ وجود کے تقاضوں کو پورا کرنے والا ہوگا۔خلیفہ ہونے کی حیثیت سے انسان اپنے پورے کارخانہ حیات کے لیے خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔ اس کا فرض ہے کہ اللہ کی طرف سے ملنے والے اختیارات، ذرائع اور وسائل کو اس کی مرضی کے مطابق استعمال کرنے میں ہی صرف کرے۔ اپنے جیسے دوسرے بندگان خدا سے سے ویسا ہی رویہ اختیار کرے جیسا اس کے رب کو پسند ہے اور آخر میں اپنی انتہائی کوشش اور جدو جہد اس بات پر صرف کردے کہ زمین اور اس کی زندگی کا نظام اتنا بہتر ہو جائے جتنا اس کا خدا دیکھنا چاہتا ہے۔ اپنی اس منصبی ذمہ داری کو انسان جس قدر زیادہ احساسِ ذمہ داری اور فرض شناسی، اطاعت وفرماں برداری اور خدا کی رضا جوئی کے جذبے کے ساتھ انجام دے گا اسی قدر زیادہ خدا کے قریب ہوگا۔ اس کے برعکس وہ جتنا سست، کاہل اور فرض ناشناس ہوگا یا سرکش، باغی اور نافرمان ہوگا اتنا ہی وہ خدا سے دور ہوتا جائے گا اور خدا سے دوری ہی کا نام اسلام کی نگاہ میں روحانی تنزل ہے۔

اب جب کہ یہ معلوم ہو چکا کہ اسلام میں روحانی ارتقاء کا راز خدا کے قرب میں پوشیدہ ہے اور خدا کا قرب انسان کی منصبی اور مقصدی فرائض کی انجام دہی پر موقوف ہے تو اب بحث کا اگلا مرحلہ یہ ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ اسلام انسان کو اپنے بنیادی فرائض کی انجام دہی کے لیے کس طرح تیار کرتا ہے۔ وہ اس کی تربیت کے لیے ایسا کون سا طریقہ اختیار کرتا ہے جس کے نتیجے میں انسان کی شخصیت کا ارتقاء اور اس کی ذات کی تکمیل اس طرح ہوتی ہے کہ وہ واقعتاً اس زمین پر خلیفۃ اللہ فی الارض کے منصب کا استحقاق حاصل کرلیتا ہے۔ اور بندگی رب کے اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں اس کا نفس نفسِ امّارہ اور نفس لوّامہ سے ترقی کرتا ہوا نفس مطمئنہ کے قالب میں ڈھل جاتا ہے۔

شخصیت انسانی کی اسی تطہیر، تعمیر، ترقی اور تربیت کی کوششوں کو قرآن تزکیہ کی جامع اصطلاح کے طور پر متعارف کراتا ہے۔ قرآن کا نظام تزکیہ ہی انسان کی ہر طرح کی ذہنی،

جسمانی اور روحانی ترقی کا ذریعہ ہے۔ اسلام کی نگاہ میں شخصیت انسانی کی ہمہ جہت ارتقاء کے لیے اگر کسی وسیلے کا اعتبار ہے تو وہ اس کا اپنا ہی پیش کیا ہوا وسیلہ ہے۔ اسی طرح تزکیہ کے قرآنی تصور کو ہی ارتقائے شخصیت کے بیرونی وسیلوں کے ترک و اختیار کا پیمانہ ہے۔ روحانی ارتقاء کے صوفیانہ تصور کو بھی قرآن کے نظام تزکیہ ہی کی بنیاد پر جانچا اور پرکھا جائے گا اور اس جانچ پرکھ کے بعد فکر وعمل کے انہی امور کو قبول کیا جائے گا جن کی قبولیت کی گنجائش قرآنی تصور تزکیہ میں موجود ہوگی۔ بصورت دیگر انہیں غیر اسلامی قرار دیتے ہوئے بلا تکلف مسترد کر دیا جائے گا۔

●▫●

صفحہ ۸۶ سے آگے

صحابہ وتابعین، کتبِ سماوی اور لغت کی تشریح وتوضیح کی گئی ہے۔ اس بحث میں تفسیر قرآن کے ارتقائی مراحل کا بھی ذکر آ گیا ہے۔ اخیر میں چار بنیادی تفسیروں: جامع البیان فی تفسیر القرآن (طبریؒ)، تفسیر القرآن العظیم (ابن کثیرؒ)، مفاتیح الغیب (رازیؒ) اور الکشاف عن حقائق التنزیل (زمخشریؒ) کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں مفسرین کے مختصر حالات، تفسیروں کی خصوصیات وامتیازات کے ذکر کے ساتھ ان کے بعض کم زور پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

کتاب اپنے موضوع پر جامع اور عمدہ پیش کش ہے۔ طلبہ کی ذہنی صلاحیتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے زبان عام فہم استعمال کی گئی ہے۔ تدوین قرآن، ناسخ ومنسوخ کی مشکل بحث کو سلیقے سے سہل زبان میں پیش کیا گیا ہے۔ ہر باب کے اخیر میں حوالہ جات کا اہتمام کیا گیا ہے نیز مزید مطالعہ کے لیے اہم کتابوں کی جانب بھی رہ نمائی کی گئی ہے۔ کتابیات عربی، اردو اور انگریزی میں تحریر کردہ کتابوں پر مشتمل ہے۔ کتاب طلبہ کے علاوہ عام قاری کے لیے بھی مفید ہے۔

●▫●

سیکولر جمہوریت میں اسلامی شناخت کا مسئلہ

محمد اسعد فلاحی

سیکولرازم سے مراد ایسا سیاسی وسماجی نظام ہے جس کی بنیادیں مذہب اور مابعد الطبیعیاتی نظریات کے بجائے عقل اور سائنسی اصولوں پر رکھی گئی ہوں۔ یعنی ایسی ریاست جو مذہبی حدود و قیود سے آزاد ہو۔ سیکولرازم انسانی زندگی کے اجتماعی امور سے مذہب کو بے دخل کر کے اسے نجی زندگی قرار دیتا ہے۔ اس میں مذہب کی حیثیت اور دائرۂ کار پر گفتگو کرتے ہوئے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں:

> ”نئے نظامِ زندگی کے ہر شعبے سے مذہب کو عملاً بے دخل کر دیا گیا ہے اور اس کا دائرہ صرف شخصی عقیدہ و عمل تک محدود کر کے رکھ دیا گیا۔ یہ بات تہذیب جدید کے بنیادی اصولوں میں داخل ہو گئی کہ مذہب کو سیاست، معیشت، اخلاق، علم و فن، غرض اجتماعی زندگی کے کسی شعبے میں بھی دخل دینے کا حق نہیں ہے۔ وہ محض افراد کا شخصی معاملہ ہے۔ (اسلامی نظام زندگی اور اس کے بنیادی تصورات، ص۲۹۹)

اسلام کا معاملہ سیکولرازم اور دیگر دوسرے ازموں سے جدا ہے۔ وہ اپنے ماننے والوں کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ مذہب کو صرف نجی زندگی تک محدود رکھیں۔ اسلام زندگی کے ہر چھوٹے بڑے معاملات میں ہدایت اور رہ نمائی فراہم کرتا ہے۔ یعنی زندگی کے ہر پہلو، خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی، معیشت ہو یا سیاست و معاشرت ہر جگہ اور ہر معاملے میں اسلام اس کی رہ نمائی کرتا ہے۔ اس لیے اسلام اپنے ماننے والوں کو یہ ہدایات ہے کہ وہ زندگی کے ہر ظاہری و باطنی معاملات کو شریعت کے مطابق ڈھالیں، اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو ان کا ایمانی دعویٰ کھوکھلا اور بے معنیٰ ہوگا۔ اس تعلق سے مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

> ”شریعت اسلامی کی تعلیمات مسجد سے لے کر بازار اور میدان کارزار تک، طریق عبادت سے لے کر ریڈیو اور ہوائی جہاز کے طریق استعمال تک، غسل، وضو اور طہارت و استنجاء کے جزوی مسائل سے لے کر

اجتماعیت، معاشیات، سیاسیات اور بین الاقوامی تعلقات کے بڑے سے بڑے مسائل تک، مکتب کی ابتدائی تعلیم سے لے کر آثارِ فطرت کے انتہائی مشاہدات اور قوانین طبعی کی بلند ترین تحقیقات تک زندگی کی تمام مساعی اور فکر و عمل کے تمام شعبوں میں ایک ترتیب اور ایک ارادی ربط پایا جاتا ہے اور ان سب کو ایک مشین کے پرزوں کی طرح اس طرح جوڑتا ہے کہ ان کی حرکت اور تعامل سے ایک ہی نتیجہ برآمد ہو۔

(اسلامی ریاست، سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، مرتب خورشید احمد، ص ۴۱۔۴۲)

دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے یہاں یہ بات رائج ہے کہ ان کا مذہب صرف انفرادی اور نجی زندگی تک محدود ہیں، مگر اسلام سے متعلق ایسا نقطۂ نظر قطعاً غلط اور لایعنی ہے۔ اس ضمن میں پروفیسر خورشید احمد لکھتے ہیں:

''اکثر اوقات یہ غلط فہمی پھیلائی جاتی ہے کہ مذہب انسان کا شخصی اور انفرادی معاملہ ہے۔ دوسرے مذاہب کے بارے میں تو یہ بات صحیح ہوسکتی ہے، لیکن اسلام ان معنوں میں مذہب نہیں۔ قرآن میں اس کے لیے 'دین' کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے، جس کے معنیٰ ہیں مکمل ضابطۂ حیات اور اس اعتبار سے اسلام کو محض نماز روزہ تک محدود کر دینا صحیح نہیں۔ اس بات کو اچھی طرح نہ سمجھنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے اچھے بھلے لوگ جو نماز روزہ کے پابند ہیں، اپنی زندگی کے دوسرے شعبوں میں اسلام کے نفاذ کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔'' (اسلامی نظریۂ حیات، پروفیسر خورشید احمد، ص ۱۵۶)

انسانی زندگی میں مذہب کی ضرورت

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں بھیجا اور انسان کی دنیوی زندگی میں رہ نمائی اور آخرت میں کام یابی کے لیے اس نے وقتاً فوقتاً انبیاء اور رسول مبعوث فرمائے۔ اللہ نے جہاں انسان کی مادی ضروریات کو پورا کرنے کا اہتمام کیا، وہیں اس کی روحانی ضروریات کا بھی بندوبست کیا۔ جس طرح مادی ضروریات انسان کے لیے ناگزیر ہیں اسی طرح روحانی غذا بھی ناگزیر ہے اور یہ روحانی غذا اللہ کی بندگی اور عبادت سے حاصل ہوتی ہے۔ بندگی رب کے بغیر انسان کی مثال حیوان کی سی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أُولَئِكَ كَالأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ (الاعراف: ۱۷۹) ''وہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ گم راہ۔''

مذکورہ آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مذہب انسانی زندگی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ پروفیسر عبدالحمید صدیقی اس تعلق سے لکھتے ہیں:

''مذہب کے مطالعے سے اصل صورت حال یہ سامنے آتی ہے کہ قادر مطلق نے جب انسان کو مادی اور روحانی احتیاجات کے ساتھ اس کرۂ ارض پر اتارا تو ان دونوں قسم کی احتیاجات کی تسکین کا سامان بھی فراہم کیا۔ جس طرح اس نے انسان کی بھوک، پیاس اور منفی خواہش کو پورا کرنے کے لیے خوراک، پانی اور اس کے لیے جوڑے کا انتظام کیا، بالکل اسی طرح اس کی روحانی اور اخلاقی تمناؤں اور آرزوؤں کی تکمیل کے لیے اسے ایک واضح نظامِ ہدایت بھی عطا فرمایا، تا کہ اس کی روح تشنہ نہ رہے۔ مثلاً ہر انسان میں جبلی طور پر یہ آرزو ہوتی ہے کہ وہ یہ جانے کہ اس عالم محسوسات سے ماورا کیا ہے؟ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اس عالم محسوسات سے ماورا ایک ارفع و اعلیٰ روحانی نظام موجود ہے، جو برابر انسان پر اثر انداز ہو کر اس کے اندر اخلاقی احساسات پیدا کرتا ہے۔'' (پروفیسر عبدالحمید صدیقی، مذہب اور تجدید مذہب، ص ۸۳)

اسلام کی تعلیم یہ بھی نہیں ہے کہ سب کچھ دنیا ہی کو سمجھ لیا جائے اور انسان دنیا میں ایسا گم ہو جائے کہ اصل مقصدِ حیات ہی انسان کی نگاہوں سے اوجھل ہو جائے۔ یعنی ایک طرف دنیا کے غلط مذہبی تصورات کی ممانعت ہے تو دوسری طرف دنیا پرست بننے سے بھی روکا گیا ہے۔ اس پہلو کی وضاحت میں مولانا سلطان احمد اصلاحی لکھتے ہیں:

''مذہب اور مذہبی زندگی کے ساتھ عام طور پر دنیا کے جھمیلوں سے فرار کا تصور ذہن میں بندھا ہوا ہے۔ بہت سے مذاہب میں بھی اس ذہنیت و مزاج کو بسا اوقات تقدس اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا رہا ہے اور اسے خدا کی قربت و معیت کا بہترین ذریعہ تصور کیا جاتا ہے۔ لیکن اسلام جس مذہبی زندگی کا قائل اور اس کا علم بردار ہے اس کا طریقہ اس سے بالکل جداگانہ ہے۔ اسلام کے نقطۂ نظر سے دین داری اور مذہبیت اس کا نام نہیں کہ آدمی جسم کو لباس سے محروم رکھے، کھانے پینے کو ترک کردے۔ یا اس سے برائے نام تعلق رکھے۔ قرآن کی نظر میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندے کی پسندیدہ روش یہ ہے کہ وہ اس کی عطا کردہ نعمتوں سے پوری طرح فائدہ اٹھائے اور زندگی کی جائز ضروریات کی تکمیل سے اپنے کو محروم نہ رکھے۔ شرط یہ ہے کہ اعتدال و توازن کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔ ان ضروریات میں پڑ کر اس طرح گم نہ ہو جائے کہ اصل مقصد زندگی ہی نگاہوں سے اوجھل ہو جائے۔'' (مذہب کا اسلامی تصور، مولانا

سلطان احمد اصلاحی، ص ۹۸۔۹۹)

اسلام اپنے ماننے والوں کو مکمل اور کامل اتباع کی ہدایت کرتا ہے۔ایک فرد جب اس دین میں داخل ہونے کا اقرار کرتا ہے تو پھر اس کا سونا، جاگنا، اٹھنا بیٹھا، الغرض انفرادی معاملات سے لے کر اجتماعی امور کو شریعت اسلامی کی تعلیمات کے مطابق حل کرنا چاہیے۔اگر کوئی شخص مسلمان ہونے کا اقرار بھی کرے اور ساتھ ہی اسلام کے بعض احکام کا اقرار کرے اور بعض کا انکار تو وہ درحقیقت کامل مومن نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً وَلاَ تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّیْطَانِ إِنَّهُ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ۔ ’’اے ایمان والو! تم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔‘‘ (البقرہ:۲۰۸) آیت کی تفسیر میں مفتی محمد شفیعؒ لکھتے ہیں:

’’تم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ، یعنی تمھارے ہاتھ پاؤں، آنکھ، کان، دل اور دماغ سب کا دائرۂ اسلام کے اندر داخل ہونا چاہیے۔ایسا نہ ہو کہ ہاتھ پاؤں تو احکام اسلامیہ بجا لا رہے ہوں، مگر دل و دماغ اس پر مطمئن نہیں یا دل و دماغ سے تو اس پر مطمئن ہو، مگر ہاتھ پاؤں اور اعضاء و جوارح کا عمل اس سے باہر ہو۔چوں کہ اسلام نام ہے اس مکمل نظامِ حیات کا جو قرآن و سنت میں بیان ہوا ہے، خواہ اس کا تعلق عقائد و عبادات سے ہو، یا معاملات و معاشرت سے، حکومت و سیاست سے اس کا تعلق ہو یا تجارت و صنعت وغیرہ سے، اسلام کا جو مکمل نظامِ حیات ہے، تم سب اس پورے نظام میں داخل ہو جاؤ۔‘‘ (مفتی محمد شفیعؒ، معارف القرآن، ص ۴۹۹)

اسلامی شناخت

ہر قوم کا اپنا ایک مخصوص معاشرتی نظام اور اپنی ایک منفرد تہذیب ہوتی ہے، جس کے ذریعہ اس کی قومی شناخت قائم رہتی ہے اور وہ شناخت اسے دوسری قوموں اور نظریات سے ممتاز کرتی ہے۔

شناخت کے دو پہلو ہیں: ایک ظاہری، دوسرا باطنی۔ظاہری یہ ہے کہ غیر مسلموں کی ظاہری مذہبی مشابہت اختیار کی جائے، مثلاً ہندوؤں کی طرح پیشانی پر قشقشہ لگانا، کلائی پر دھاگہ یا راکھی باندھنا، کڑا پہننا، پیشانی پر ٹیکا لگانا، سینے پر صلیب لٹکانا وغیرہ۔اسی طرح معاشرہ، عادات اور قومی شعائر میں

مشابہت اختیار کرنا، مثلاً کسی قوم کا مخصوص لباس استعمال کرنا، جو خاص ان ہی کی طرف منسوب ہو۔ غرض کسی بھی چیز کا استعمال غیر مسلموں اور دشمنان دین کی مشابہت کے ارادے سے کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے دل میں ان کی طرف رغبت اور میلان ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ گوارا نہیں کہ اس کے دوست اور نام لیوا (یعنی مسلمان) اس کے دشمنوں (یعنی کافروں) کی مذہبی اور تہذیبی وثقافتی مشابہت اختیار کرنے کی نیت وارادے سے کوئی کام کریں۔ قرانِ مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَن تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ (الحدید:۱۶)

''کیا مسلمانوں کے لیے وقت نہیں آیا کہ اللہ کے ذکر اور اس کے نازل کردہ حق کے سامنے ان کے دل جھک جائیں اور ان لوگوں کے مشابہ نہ بنیں جن کو پہلے کتاب دی گئی (یعنی یہود ونصاریٰ) جن پر زمانہ دراز گزرا، پس ان کے دل سخت ہو گئے اور بہت سے ان میں فاسق ہیں۔''

علامہ اقبال نے مشابہت اختیار کرنے کے سلسلے میں مسلمانوں پر طنز کرتے ہوئے کہا ہے:

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کر شرمائیں یہود

شناخت کا دوسرا پہلو باطنی ہے، جس کا تعلق مذہبی اعتقادات، افکار اور عبادات سے ہے۔ انسان کے افکار وخیالات اس کی شخصیت کے آئینہ دار اور اس کی نظریاتی شناخت ہوتے ہیں۔ اس کے افکار سے معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ باطنی طور پر کس عقیدہ کا علم بردار ہے۔

شعائرِ اسلامی

ہر قوم اور جماعت بعض مخصوص شعائر کی حامل ہوتی ہے، جو اس کی شناخت ہوتی ہے۔ اسلام دنیا کا مہذب اور منظّم ترین مذہب ہے۔ یہ بھی ایک مخصوص شناخت اور دل کش شعائر کا حامل ہے۔ اس کے ماننے والوں کا خاص طریقۂ عبادت ہے اور وہ خاص قسم کا اسلوبِ زندگی اور امور کے پیرو کار ہیں۔

اسلامی اصطلاح میں ان کو 'شعائرِ اسلام' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

شعائر اللہ کا ذکر قرآن کریم میں سورہ البقرہ (آیت: ۱۵۸)، سورۃ المائدہ (آیت: ۲) اور سورۃ الحج (آیات: ۳۲ تا ۳۶) میں آیا ہے۔ سورۃ البقرہ میں صفا اور مروہ کو شعائر کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔ سورۃ المائدہ میں شعائر اللہ کی بے حرمتی سے منع کیا گیا اور سورۃ الحج میں شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم دیا گیا ہے اور اس کو تقویٰ کی نشانی قرار دیا گیا ہے۔ اسی سورہ میں خاص اونٹ یعنی 'بدن' کی قربانی کو بھی شعائر اللہ کہا گیا ہے۔

شاہ ولی اللہؒ اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں شعائر اللہ کی تعظیم واحترام کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

''شعائر الٰہیہ سے ہماری مراد وہ ظاہری ومحسوس امور اور اشیاء ہیں جن کا تقرر اسی لیے ہوا ہے کہ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے۔ ان امور واشیاء کو خدا کی ذات سے ایسی مخصوص نسبت ہے کہ ان کی عظمت وحرمت کو لوگ خود اللہ تعالیٰ کی عظمت وحرمت سمجھتے ہیں اور ان کے متعلق کسی قسم کی کوتاہی کو ذاتِ الٰہی کے متعلق کوتاہی سمجھتے ہیں۔'' (شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حجۃ اللہ البالغہ، حصہ اول، باب: ۷)

آگے مزید لکھتے ہیں کہ بڑے بڑے شعائر الٰہیہ چار ہیں:

۱۔ قرآن حکیم

۲۔ کعبۃ اللہ

۳۔ نبی کریم ﷺ

۴۔ نماز

(شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حجۃ اللہ البالغہ، حصہ اول، باب: ۷)

شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ نے اپنی تفسیر فتح العزیز میں کعبہ، عرفہ، مزدلفہ جمرات ثلاثہ، صفا، مروہ، منیٰ، مساجد، ماہ رمضان، اشہر حرم، عید الفطر، عید النحر، ایام تشریق، جمعہ، اذان، اقامت، نماز، جماعت اور نماز عیدین کو شعائر اللہ میں شمار کیا ہے۔

اسلامی شعائر کے حوالے سے مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں:

''ہر وہ چیز جو کسی مسلک یا عقیدے یا طرز فکر وعمل یا کسی نظام کی نمائندگی کرتی ہو وہ اس کا 'شعار' کہلائے

گی، کیوں کہ وہ اس کے لیے علامت یا نشانی کا کام دیتی ہے۔ سرکاری جھنڈے، فوج اور پولیس وغیرہ کے یونیفارم، سکے، نوٹ اور اسٹامپ حکومتوں کے شعائر ہیں اور وہ اپنے محکوموں سے، بلکہ جن جن پر ان کا زور چلے، سب سے ان کے احترام کا مطالبہ کرتی ہیں۔ گرجا اور قربان گاہ اور صلیب مسیحیت کے شعائر ہیں۔ چوٹی اور زنّار اور مندر برہمنیت کے شعائر ہیں۔ کیس اور کڑا اور کرپان وغیرہ سکھ مذہب کے شعائر ہیں۔ ہتھوڑا اور درانتی اشتراکیت کا شعار ہیں۔ سواستیکا آریہ نسل پرستی کا شعار ہے۔ یہ سب مسلک اپنے اپنے پیرووں سے اپنے ان شعائر کے احترام کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی نظام کے شعائر میں سے کسی شعار کی توہین کرتا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ دراصل اس نظام کے خلاف دشمنی رکھتا ہے، اور اگر وہ توہین کرنے والا خود اسی نظام سے تعلق رکھتا ہو تو اس کا یہ فعل اپنے نظام سے ارتداد اور بغاوت کا ہم معنی ہے۔

'شعائر اللہ' سے مراد وہ تمام علامات یا نشانیاں ہیں جو شرک و کفر اور دہریت کے بالمقابل خالص خدا پرستی کے مسلک کی نمائندگی کرتی ہوں۔ ایسی علامات جہاں جس مسلک اور جس نظام میں بھی پائی جائیں مسلمان ان کے احترام پر مامور ہیں، بشرطے کہ ان کا نفسیاتی پس منظر خالص خدا پرستانہ ہو، کسی مشرکانہ یا کافرانہ تخیل کی آلودگی سے انھیں ناپاک نہ کر دیا گیا ہو۔ کوئی شخص خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو، اگر اپنے عقیدہ و عمل میں خدائے واحد کی بندگی و عبادت کا کوئی جز رکھتا ہے تو اس جز کی حد تک مسلمان اس سے موافقت کریں گے اور ان شعائر کا بھی پورا احترام کریں گے جو اس کے مذہب میں خالص خدا پرستی کی علامت ہوں۔ اس چیز میں ہمارے اور اس کے درمیان نزاع نہیں بلکہ موافقت ہے۔ نزاع اگر ہے تو اس امر میں نہیں کہ وہ خدا کی بندگی کیوں کرتا ہے، بلکہ اس امر میں ہے کہ وہ خدا کی بندگی کے ساتھ دوسری بندگیوں کی آمیزش کیوں کرتا ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ شعائر اللہ کے احترام کا یہ حکم اس زمانہ میں دیا گیا تھا جب کہ مسلمانوں اور مشرکین عرب کے درمیان جنگ برپا تھی، مکہ پر مشرکین قابض تھے، عرب کے ہر حصے سے مشرک قبائل کے لوگ حج و زیارت کے لیے کعبہ کی طرف جاتے تھے اور بہت سے قبیلوں کے راستے مسلمانوں کی زد میں تھے۔ اس وقت حکم دیا گیا کہ یہ لوگ مشرک ہی سہی، تمہارے اور ان کے درمیان جنگ ہی سہی، مگر جب یہ خدا کے گھر کی طرف جاتے ہیں تو انھیں نہ چھیڑو، حج کے مہینوں میں ان پر حملہ نہ کرو، خدا کے دربار میں نذر کرنے کے لیے جانور یہ لیے جا رہے ہوں ان پر ہاتھ نہ ڈالو، کیونکہ ان کے بگڑے ہوئے مذہب میں خدا پرستی کا

جتنا حصہ باقی ہے وہ بجائے خود احترام کا مستحق ہے نہ کہ بے احترامی کا۔'' (تفہیم القرآن، جلد ا، ص ۴۳۸، حاشیہ نمبر ۵)

شعائر سے متعلق چند اصولی باتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا امین احسن اصلاحیؒ لکھتے ہیں:

''ایک یہ کہ یہ شعائر، اللہ اور اس کے رسول کے مقرر کردہ ہیں۔ کسی دوسرے کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے طور پر کسی چیز کو دین کے شعائر میں سے قرار دے دے اور جو چیز شعائر میں داخل ہے، اس کو شعائر کی فہرست سے خارج کر دے۔ دین میں اس قسم کے من مانے تصرفات سے شرک و بدعت کی راہیں کھلتی ہیں۔ جن قوموں نے اپنے جیسے شعائر قرار دیے، تاریخ گواہ ہے کہ انہوں نے اس طرح شرک و بت پرستی کی راہیں کھول دی۔

دوسری یہ کہ جس طرح شعائر، اللہ کے مقرر کردہ ہیں اسی طرح اسلام میں ان شعائر کی تعظیم کے حدود بھی خدا اور رسول ہی کے مقرر کردہ ہیں۔ جس شعیرہ کی تعظیم کی جو شکل شریعت میں ٹھہرا دی گئی ہے وہی اس حقیقت کے اظہار کی واحد شکل ہے جو اس شعیرہ کے اندر مضمر ہے، اس سے سرِ مو انحراف نہ صرف اس شعیرہ کی حقیقت سے انسان کو محروم کر دینے والی بات ہے بلکہ اس سے شرک و بدعت کے دروازے بھی کھل سکتے ہیں۔ فرض کیجیے کہ حجر اسود ایک شعیرہ ہے۔ اس کی تعظیم کے لیے اس کو حالت طواف میں بوسہ دینے یا اس کو ہاتھ لگا کر ہاتھ کو چوم لینے یا اس کی طرف اشارہ کرنے کی شکلیں دین کے لانے والے کی طرف سے مقرر کر دی گئی ہیں۔ اگر کوئی شخص تعظیم کی صرف انہی شکلوں پر قناعت نہ کرے، بلکہ تعظیم شعائر اللہ کے جوش میں وہ اس پتھر کے آگے گھٹنے ٹیکنے لگے، یا اس کے سامنے نذریں پیش کرنے لگے، یا اس پر پھول نثار کرنے لگے، یا اس طرح کی کوئی اور حرکت کرنے لگے تو ان باتوں سے وہ نہ صرف یہ کہ اس حقیقت سے بالکل دور ہو جائے گا جو اس شعیرہ کے اندر مضمر ہے، بلکہ وہ شرک و بدعت میں بھی مبتلا ہو جائے گا۔

تیسری یہ کہ ان شعائر میں اصل مطمح نظر وہ حقیقتیں ہوا کرتی ہیں جو ان کے اندر مضمر ہوتی ہے۔ ان حقیقتوں کے اظہار کے لیے یہ شعائر گویا قالب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس وجہ سے ملت کی زندگی کے لیے سب سے زیادہ ضروری کام یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے دلوں اور دماغوں میں یہ حقیقتیں برابر زندہ اور تازہ رکھی جائیں۔ اگر یہ اہتمام سرد پڑ جائے تو دین کی اصل روح نکل جاتی ہے، صرف قالب باقی رہ جاتا ہے پھر آہستہ آہستہ لوگوں کی اصل توجہ صرف قوالب پر مرکوز ہو جاتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دین صرف ایک مجموعہ رسوم بن کے رہ جاتا ہے۔ (مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، جلد دوم، سورہ المائدہ، آیت: ۲)

تشبہ

اسلامی شریعت میں مسلمانوں کو اپنا تشخص برقرار رکھنے پر زور دیا گیا ہے اور انھیں دیگر قوموں کی مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ 'تشبہ' مشابہت سے ماخوذ ہے۔ مشابہت کے معنی یکسانیت اور نقش قدم کی پیروی کرنے کے ہیں۔ شریعت میں غیر مسلموں کے عقائد، عبادات، عادات اور ان کے مخصوص طور وطریقہ میں مشابہت اختیار کرنے کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا شاد ہے: ''قیامت سے پہلے فتنے اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح ہوں گے اور آدمی ایمان کی حالت میں صبح کرے گا تو شام کو کافر ہو جائے گا اور شام کو ایمان کی حالت میں ہوگا تو صبح کافر ہوجائے گا اور کئی اقوام دنیاوی مال کے عوض اپنا دین بیچیں گی۔'' (سنن الترمذی، ابواب الفتن)

دین کے معاملے اہلِ ایمان کو محتاط رہنا چاہیے۔ ذرا سی غفلت کا نتیجہ بعض اوقات ایمان سے ہاتھ دھونے کی صورت میں ملتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (سنن ابی داؤد) ''جو آدمی جس قوم کے ساتھ مشابہت رکھے گا، وہ انہیں میں سے ہے۔'' ایک دوسرے مقام پہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: انت مع من أحببت (صحیح البخاری، باب مناقب عمر بن الخطابؓ) ''تو اس کے ساتھ (یعنی تیرا حشر اس کے ساتھ ہوگا) جس کے ساتھ تو محبت کرتا ہے۔''

مشابہت سے کیوں روکا گیا ہے؟

اسلام کا ہر حکم فطری اور حکمتوں سے لبریز ہے۔ مشابہت کی ممانعت میں بھی بعض حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ تشبہ کی ممانعت کے سلسلے میں درج ذیل حکمتیں پوشیدہ ہیں:

غیر مسلموں کے افعال اور اعمال، خواہ ان کا تعلق عقائد، عبادات، یا عبادات سے ہو، یا تہوار اور معاملات سے ہو، بہر صورت ان کے افعال کی بنیاد گم راہی اور انحراف پر قائم ہیں۔ بھلائی و نیکی تو ان کے یہاں ایک استثنائی چیز ہے۔ اگر ان کے یہاں کچھ نیکی کی چیزیں پائی بھی جائیں، تو ان پر کوئی اجر

ثواب نہیں ملے گا، جیسا کہ اللہ تعالی نے کا ارشاد ہے: وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنثُورًا (الفرقان: ۲۳) ''اور انھوں نے جو اعمال کیے تھے ہم نے ان کی طرف بڑھ کر انھیں پراگندہ ذروں کی طرح کر دیا۔''

غیر مسلموں کی مشابہت مومن کو ان کی پیروی میں مبتلا کر دیتی ہے، ایسا کرنا اللہ اور رسول کی مخالفت اور اہلِ ایمان کی راہ سے ہٹ کر چلنا ہے۔ اس پر سخت وعید آئی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (النساء: ۱۱۵) ''جو شخص باوجود راہِ ہدایت کے واضح ہو جانے کے، رسول اللہ کی مخالفت کرے اور مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے، ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہو اور اسے دوزخ میں ڈال دیں گے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔''

مشابہت اختیار کرنے سے دل میں مشابہ بہ کے لیے محبت کے اسباب پیدا کرتی ہے۔ انسان اُسی کی مشابہت اختیار کرتا ہے، جس سے وہ محبت بھی کرتا ہے۔ جب کہ مسلمانوں کو کافروں سے تمام وسائل کے ذریعے اعلانِ برات کا حکم دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ ۗ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ (آل عمران: ۲۸) ''مومنین، اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو ہرگز دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا اسے اللہ سے کوئی واسطہ نہیں، اِلّا کہ تمھیں ان کافروں سے بچاؤ کے لیے کسی قسم کا طرزِ عمل اختیار کرنا پڑے اور اللہ تمھیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

ایک اور مقام پر فرمایا: لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ (المجادلۃ: ۲۲) ''جو لوگ اللہ اور آخرت کے دن پر یقین رکھتے ہیں۔ آپ کبھی انہیں ایسا نہ پائیں گے کہ وہ ایسے لوگوں سے دوستی کریں جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہوں، خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے ہوں

یا بھائی یا کنبہ والے۔''

ظاہری طور پر غیر قوموں کی مشابہت سے مسلمان، اندر سے بھی انہی جیسا بننے کی کوشش کرتا ہے، انہی جیسے اعتقادات رکھتا ہے اور دھیرے دھیرے ان کے افکار و نظریات کو صحیح سمجھنے لگتا ہے۔ اس لیے کہ انسان کی ظاہری اور باطنی حالت میں شدید تعلق پایا جاتا ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کو متاثر کرتے ہیں۔ علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

''ظاہری مشابہت باطنی مشابہت کا باعث بنتی ہے اور یہ سب کچھ اتنا مخفی اور سلسلہ وار ہوتا ہے کہ احساس نہیں ہو پاتا۔ ہم نے ان یہود و نصاریٰ کو دیکھا ہے، جو مسلم معاشرے میں رہتے تھے، ان میں دیگر یہود و نصاریٰ سے کم کفریہ نظریات پائے جاتے تھے۔ بعینہ ایسے وہ مسلمان جو یہود و نصاریٰ کے معاشرے میں رہتے ہیں، وہ لوگ دیگر مسلمانوں سے کم ایمان رکھتے ہیں۔'' (علامہ ابن تیمیہؒ، اقتضاء الصراط المستقیم: ۱/۵۴۸)

علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں:

''ظاہری لباس میں مشابہت باطنی افکار میں موافقت کا باعث بنتی ہے، جیسا کہ اس کے متعلق شرعی، عقلی اور واقعی دلائل موجود ہیں۔ اسی لیے شریعتِ نے کفار، حیوانات، شیاطین، خواتین اور دیہاتی لوگوں سے مشابہت ممنوع قرار دی ہے۔'' (الفروسیۃ، ابن قیمؒ: ص ۱۲۲)

کن لوگوں کی مشابہت سے روکا گیا ہے؟

قرآن و حدیث میں جن کی مشابہت سے روکا گیا ہے، ذیل میں ان میں سے بعض کا تذکرہ کیا جا رہا ہے:

۱۔ کفار: رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو گیروا رنگ کا کپڑا زیب تن کیے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ان ھذہ من ثیاب الکفار فلا تلبسھا۔ (صحیح مسلم، باب النھی عن لبس الرجل الثوب المعصفر) ''یہ کافروں کے لباسوں میں سے ہے، تم انھیں نہ پہنو۔'' یہ حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ مسلمانوں کے لیے ہر اس لباس کا پہننا جائز نہیں ہے جو کفار کا نشانِ امتیاز ہو۔

۲۔ مشرکین: عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ نے کہا: ''من بنی ببلاد المشرکین و صنع

نیروزھم ومھرج ”حشر معھم یوم القیامۃ“ جو شخص مشرکوں کے علاقہ میں مکان تعمیر کرے، ان کے نیروز ومہر جان (ان کے تہوار منائے اور موت آنے تک اپنے اسی کردار پر قائم رہے تو وہ قیامت کے دن انہی لوگوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ (بیہقی ۹/ ۲۳۴) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہا مسجدوں پر مثلث یا مربع برجیوں کے بنانے کو مکروہ سمجھتے تھے، بہت سے مواقع پر انھوں نے اس سے منع فرمایا۔ ان کا خیال تھا کہ یہ مشرکوں کے بتوں کے مشابہ ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۳۰۹، اقتضاء الصراط المستقیم (محقق) لابن تیمیہ ۱/ ۳۴۴)

۳۔ اہل کتاب: قرآنی آیات اور متعدد صحیح احادیث میں یہود و نصاریٰ کی مشابہت سے روکا ہے۔ یہاں بطور مثال چند احادیث بیان کی جارہی ہیں:

☆ یہود و نصاریٰ بالوں میں خضاب نہیں لگاتے تھے، آپؐ نے ان کی مخالفت میں خضاب کے استعمال کا حکم دیا، فرمایا: ان الیھود والنصاریٰ لا یصبغون ،فخالفھم (صحیح البخاری: ۵۵۵۹) ”یہود و نصاریٰ خضاب نہیں لگاتے، لہٰذا تم ان کی مخالفت کیا کرو۔“

☆ اہل کتاب عورت کو حالتِ حیض میں بالکل اچھوت سمجھتے تھے۔ ان کے ساتھ نہ کھاتے پیتے تھے اور نہ اٹھتے بیٹھتے تھے، بلکہ اسے خود سے بالکل الگ کر دیتے تھے۔ اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا: اِصْنَعُوا كُلَّ شَيْءٍ اِلَّا النِّكَاحَ۔ ”ہم بستری کے علاوہ ہر چیز کی اجازت ہے۔“ اور جب اہل کتاب کو اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے کہا: مَا يُرِيْدُ هٰذَا الرَّجُلُ اَنْ يَّدَعَنَا مِنْ اَمْرِنَا شَيْئاً اِلاَّ خَالَفَنَا فِيْهِ (صحیح مسلم) لگتا ہے کہ اس آدمی (حضرت محمد ﷺ) نے ہمارے ہر معاملہ کی مخالفت کا بیڑا اٹھا رکھا ہے۔

☆ ابتدائے اسلام میں باجماعت نماز کے لیے مسلمانوں کو جمع کرنے کا کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں تھا۔ آپؐ نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ ایک صحابی نے مشورہ دیا کہ ناقوس بجایا جائے۔ آپؐ نے اس مشورے کو رد کرتے ہوئے فرمایا: ھو من امر النصاری (یہ نصاریٰ کا طریقہ ہے۔) کسی نے یہ رائے پیش کی کہ ’بوق‘ (نرسنگھا) پھونکا جائے۔ اسے بھی رد کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا: ھو من

أمر اليهود۔(ابوداؤد:۴۹۸)

غیر مسلموں کی مذہبی تقریبات میں شرکت

انسانی فطرت ہے کہ وہ دوسرے انسانوں سے انسانیت کی بنا پر تعلق استوار کرتا ہے، ان سے میل جول رکھتا ہے، ان سے مختلف طریقے کے معاملات کرتا ہے اور مختلف مناسبتوں سے ان کی تقریبات میں شرکت بھی کرتا ہے۔ یہ تقریبات سماجی بھی ہوتی ہیں اور مذہبی بھی۔ مذہبی تقریبات میں کچھ مخصوص رسوم بھی انجام دی جاتی ہیں، جو کسی عقیدہ پر مبنی ہوتی ہیں۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ غیر مسلموں کی تقریبات میں مسلمانوں کی شرکت کی کیا حدود و قیود ہیں، جن کی رعایت کی جانی چاہیے؟ موجودہ دور میں یہ سوال اس لیے بھی اہمیت اختیار کر گیا ہے کہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو فروغ دینے کے مقصد سے مسلمانوں کی جانب سے غیر مسلموں کو اپنی تقریبات میں مدعو کرنے اور غیر مسلموں کی جانب سے مسلمانوں کو اپنی تقریبات میں بلانے کا رجحان بڑھا ہے اور اسے وقت کی ضرورت قرار دیا جا رہا ہے۔ معروف عالم دین ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی، معاون مدیر سہ ماہی تحقیقات اسلامی نے اس موضوع پر ایک تحقیقی مقالہ قلم بند کیا ہے۔ اس میں انھوں نے واضح کیا ہے کہ مسلمانوں کے غیر مسلموں کی تقریبات میں شرکت کی حدود کیا ہیں؟ کس طرح کی تقریبات میں شرکت کی گنجائش ہے؟ ان میں شرکت کے وقت کن امور کا پاس و لحاظ رکھا جانا چاہیے؟ ذیل میں اس کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے:

☆ غیر مسلموں کی کچھ تقریبات خالص مذہبی نوعیت کی ہوتی ہیں۔ ان میں شرکیہ افعال انجام دیے جاتے ہیں۔ ایسی تقریبات میں شرکت عام حالات میں مسلمانوں کے لیے جائز نہیں ہے۔

☆ اگر کسی شخص کو دینی مصلحت، ملّی تقاضے، دعوتی جذبے، تالیفِ قلب یا اسلام سے قریب کرنے کے مقصد سے غیر مسلموں کی کسی مذہبی تقریب میں شریک ہونا پڑے تو اس کی گنجائش ہو سکتی ہے، بشرطے کہ وہ کسی مذہبی عمل میں شریک نہ ہو اور اس موقع پر جو مذہبی رسوم انجام دی جاتی ہیں، ان سے دور رہے۔

☆ اسی طرح مختلف تہواروں کے موقع پر اگر خیر سگالی کے طور پر کوئی پارٹی ہوتی ہو، جیسے ہولی ملن وغیرہ اور اس میں مذہبی رسوم نہ انجام دی جاتی ہوں تو وسیع تر دعوتی مفاد، خیر سگالی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے پیش نظر اس میں شرکت کی جاسکتی ہے۔

☆ مذہبی رسوم کی ایک مثال پیشانی پر 'قشقہ' لگانا ہے کہ اس کا تعلق ہندوؤں کے مذہبی شعائر سے ہے، اس لیے یہ جائز نہیں ہے۔

☆ بعض تقریبات میں 'وندے ماترم' گیت گایا جاتا ہے۔ یہ گیت کھلے طور پر شرکیہ باتوں پر مشتمل ہے، اس لیے کہ اس میں 'بھارت ماتا' کو مخاطب کیا گیا ہے۔ ہندوؤں کے نزدیک 'بھارت' کو ایک دیوی کے روپ میں پیش کیا گیا ہے اور ملک کے مختلف مقامات پر اس کی مورتیاں نصب کی گئی ہیں اور مندر بنائے گئے ہیں۔ اس بنا پر کسی مسلمان کے لیے یہ گیت گانا جائز نہیں ہے۔

☆ تقریبات اگر خوشی کی ہوں تو ان میں تحائف بھی پیش کیے جاتے ہیں۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلموں کو تحائف دیے جاسکتے ہیں اور ان کے تحائف قبول بھی کیے جاسکتے ہیں۔

☆ غیر مسلموں کی تقریبات میں شراب اور دیگر نشہ آور مشروبات کا استعمال عام ہے۔ اسلام میں اس کو صراحت کے ساتھ حرام قرار دیا گیا ہے اور اس سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔

☆ اسلام میں غیر مسلموں (مشرکین) کے ذبیحے کو حرام قرار دیا گیا ہے، البتہ اس معاملہ میں اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کو مستثنیٰ رکھا گیا ہے کہ ان کا ذبیحہ حلال ہے۔

☆ غیر مسلموں کی تیار کردہ چیزیں، مثلاً مٹھائیاں یا کھانے کی دوسری چیزیں، ان کا استعمال مسلمانوں کے لیے بلا کراہت جائز ہے۔ بشرطے کہ ان میں کسی حرام چیز کی آمیزش نہ ہو اور بتوں پر ان کا چڑھاوا نہ کیا گیا ہو۔

☆ کسی غیر مسلم عزیز، پڑوسی، کاروباری شریک یا ملاقاتی کا انتقال ہو جائے تو اس کی تعزیت کرنی چاہیے۔ یہ ایک سماجی تقاضا ہے، جس کی شریعت نے اجازت دی ہے۔ البتہ تعزیت کرتے ہوئے کوئی ایسی بات زبان سے نہیں نکالنی چاہیے، جو کسی اسلامی عقیدے سے ٹکراتی

ہو۔

☆ مسلمان کسی ایسے عمل میں شریک نہ ہو جو اسلامی نقطۂ نظر سے ناجائز ہو، مثلاً چِتا میں آگ لگانا، کہ اسلامی شریعت میں انسانی نعش کو آگ میں جلانے کی اجازت نہیں ہے، یا دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی کرنا، کہ غیر مسلم میت کے لیے ایسا کرنے سے صراحۃً منع کیا گیا ہے۔ (ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی، سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ جولائی۔ستمبر ۲۰۱۷)

خلاصہ

اپنی اسلامی شناخت کے سلسلے میں مسلمانوں کو حد درمحتاط رہنے کی ضرورت ہے۔گزشتہ چند سالوں سے دیکھنے میں آرہا ہے کہ بعض دین سے نا آشنا مسلمان، غیر مسلموں کی خالص مذہبی تقریبات میں کثرت سے شرکت کر رہے ہیں۔اور یہ جنون بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ایک باشعور مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی صورت وسیرت، اپنی ہیئت ووضع قطع، اسلامی امتیازات کو چھوڑ کر کسی دوسری قوم کی مشابہت وامتیازات کو اختیار کرنے سے گریز کرے اور شریعت کے بتائے ہوئے تمام احکام مثلاً لباس، وضع قطع، رہن سہن، عادات وخصائل، پسند وناپسند کے مطابق اپنی زندگی میں نافذ کرے۔

آئندہ شمارے میں

''کئی جلدوں پر مشتمل عربی زبان کی تاریخی معجم پر ایک معلوماتی فیچر''

''نوجوان شاعر، سالم سلیم کے شعری مجموعے 'واہمہ وجود کا' پر عبداللہ زکریا کی تاثراتی تحریر''

امت مسلمہ کے معاشی مسائل اوران کا قرآنی حل

سمیہ اصغر طیباتی

اللہ تعالی نے خوشحال اور فارغ البال زندگی بسر کرنے کے لیے زمین میں وسائل رزق فراہم کیا، اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے انسان کو عقل وشعور کی نعمت کے ساتھ مکمل آزادی اور حق ملکیت عطا کیا، اوراس آزادی اور حق ملکیت کے صحیح استعمال سے انسانی معاشرہ کی خوشحالی اور معاشی استحکام کی ضمانت دی اوراس کے غلط استعمال سے معاشی تنگی اور اقتصادی بحران میں مبتلا ہوجانے کی خبر بھی دی۔ چنانچہ اسی وجہ سے آج امت مسلمہ کا بڑا طبقہ غربت و افلاس، ناداری ومحتاجی، گداگری و بھکمری اور بے روزگاری ومعاشی پستی کا بری طرح شکار ہے۔ خاص طور سے ہندوستانی مسلمانوں کی پہچان ہی معاشی پس ماندگی بن گئی ہے۔ ایسے حالات میں ضرورت اس بات کی ہے کہ معاشی مسائل سے دو چار امت مسلمہ کے سامنے قرآنی حل پیش کیا جائے تاکہ امت مسلمہ معاشی بحران سے نکل سکے۔ اس مقالہ میں معاشی مسائل کا قرآنی حل پیش کرنے کی ایک طالب علمانہ کوشش کی گئی ہے۔

قرآن مجید نے عقائد وعبادات، اخلاق ومعاشرت کے ساتھ ساتھ معاشی امور سے متعلق بھی رہنما اصول دیے ہیں اور معاشی تنگدستی کو دور کرنے کے لیے جدو جہد اور محنت ومشقت کرنے کی تلقین بھی کی ہے اوراس عمل کو دہرے اجر کا مستحق قرار دیا ہے۔ ایک اجراس بات کا کہ وہ اللہ تعالی کی عطا کردہ نعمتوں اور وسائل کے حصول میں دوڑ دھوپ کر کے اپنے اہل وعیال اور اقرباو رشتہ دار کی ضرورتوں کو پوری کرتا ہے اوردوسرا اجراس بات پر کہ وہ اس جدو جہد میں اللہ تعالی کی مقرر کردہ حلال و حرام کی حدود کی پابندی کرتا ہے۔

معاشی مسائل کے قرآنی حل بیان کرنے سے پہلے قرآن مجید نے معاشی جدو جہد اور تلاش رزق کے جو رہنما اصول بیان کیے ہیں، ان پر ایک نظر ڈال لینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

تلاش معاش کا سب سے پہلا اصول یہ ہے کہ جو روزی اور رزق تلاش کیا جائے ضروری ہے کہ وہ طیب اور پاک ہو، حرام اور ناپاک رزق اللہ تعالی کو ناپسند ہے، جس سے اجتناب لازم ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللهُ حَلالاً طَيِّباً وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللهِ إِن كُنتُم إِيَّاهُ تَعْبُدُون (النمل: ۱۱۴)

(پس اے لوگو! اللہ نے جو کچھ حلال اور پاک رزق تم کو بخشا ہے اسے کھاؤ اور اللہ کے احسان کا شکر ادا کرو اگر تم واقعی اس کی بندگی کرنے والے ہو۔)

دوسری جگہ فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الأَرْضِ حَلاَلاً طَيِّباً (البقرہ: ۱۶۸)

(لوگو! زمین میں جو حلال اور پاک چیزیں ہیں انہیں کھاؤ۔)

دوسرا اصول یہ ہے کہ وسائل رزق اور ذرائع معاش بھی حلال اور پاک وصاف ہونے چاہییں، ایسا نہ ہو کہ حصول رزق میں حلال وحرام کی تمیز نظروں سے اوجھل ہو جائے، بلکہ اس کا بھی اتنا ہی خیال رکھنا ہے جتنا حلال اور پاک غذا کا رکھنا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

وَلاَ تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقاً مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ (البقرہ: ۱۸۸)

(اور تم لوگ نہ تو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناروا طریقہ سے کھاؤ اور نہ حاکموں کے آگے ان کو اس غرض کے لیے پیش کرو کہ تمہیں دوسروں کے مال کا کوئی حصہ قصداً ظالمانہ طریقے سے کھانے کا موقع مل جائے۔)

حصول رزق کا تیسرا اہم اصول معتدل اور درمیانہ رویہ کا اختیار کرنا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ دولت کے حصول اور معاشی استحکام کے چکر میں حد اعتدال کو ٹھیس پہنچے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی متاثر ہو۔ بارہا ایسا دیکھنے میں آتا ہے کہ تجارت اور مال ودولت کا حصول ہی سب کچھ ہو جاتا ہے نہ نماز روزہ کی وقت پر ادائیگی کی فکر رہتی ہے اور نہ اہل وعیال کی دیکھ ریکھ اور نگرانی، نتیجتاً اس روش سے تعلق مع اللہ بھی کمزور ہوتا ہے اور بیوی بچوں کے حقوق کی ادائیگی بھی متاثر ہوتی ہے۔ قرآن مجید نے

ہر عمل کے متعلق معتدل اور متوازن رویہ اختیار کرنے کی تلقین کی ہے چاہے نماز روزہ کی ادائیگی کا معاملہ ہو یا معاشرت ومعیشت کا، چنانچہ کھانے پینے کے آداب کے تعلق سے فرمایا:

كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلاَ تُسْرِفُوا إِنَّهُ لاَ يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ (الاعراف:۳۱)

(اور کھاؤ پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو، اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔)

چوتھا اہم اصول جو اکثر نظروں سے اوجھل ہوجاتا ہے وہ یہ ہے کہ مال و دولت اللہ تعالی کی طرف سے عطا کردہ نعمت و امانت ہیں اور ایک مومن کی دولت میں فقراء ومساکین کا حق مقرر کیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالی فرماتا ہے:

كُلُوا مِن ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ وَلاَ تُسْرِفُوا إِنَّهُ لاَ يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ (الانعام:۱۴۱)

(کھاؤ ان کی پیداوار جب کہ یہ پھلیں، اور اللہ کا حق ادا کرو جب ان کی فصل کاٹو، اور حد سے نہ گزرو کہ اللہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔)

دوسری جگہ مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ (الذریات:۱۹)

(اوران کے مالوں میں حق ہے سائل اور محروم کے لیے۔)

پانچواں اصول جو بہت اہم ہے وہ ارتکاز دولت سے ممانعت کا ہے، یعنی دولت ایک ہاتھ یا چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جائے جیسا کہ گلوبلائزیشن کے اس دور میں دولت ایک یا چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ گئی ہے، اس انجماد واحتکار کو قرآن مجید باطل قرار دیتا ہے۔ قرآن مجید دولت کو گردش میں اور متحرک دیکھنا چاہتا ہے تاکہ معاشرے میں امیر وغریب کی خلیج نہ بننے پائے اور یہ حقیقت ہے کہ انسانی معاشرہ کو تباہ و برباد اور نظام معیشت کو درہم و برہم کردینے والی تمام تر خرابیوں اور برائیوں کی جڑ اکتناز زر اور انجماد دولت ہے۔ قرآن مجید اس سے منع کرتا ہے اور مال و دولت کو معاشرے کے ہر فرد کے لیے بنیادی ضرورت قرار دیتا ہے۔ فرمایا: كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ (الحشر:۷) (تاکہ وہ تمہارے مالداروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔)

مذکورہ بالا اصول انسان کے لیے معاشی جدو جہد میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں ان کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک مومن اپنے معاشی استحکام کے لیے کوشاں رہے تو اللہ تعالی کی نظر میں وہ محبوب و پسندیدہ بندہ ٹھیرے گا۔

اب ہم موجودہ معاشی مسائل کا ذکر کرتے ہوئے ان کا قرآنی حل پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

غربت و افلاس ،فقرو فاقہ ،تنگ دستی وگداگری اور ناداری و بے روزگاری یہ سب ایک ہی حقیقت کے مختلف نام ہیں اور دراصل یہی مسلمانوں کے اصل معاشی مسائل ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی اکثریت زبردست معاشی مسائل سے دوچار ہے اور بالخصوص ہندوستانی مسلمان غیر مسلمین کے مقابلے میں بری طرح معاشی پس ماندگی کا شکار ہیں۔اس تلخ حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی لکھتے ہیں:

''اکثریت مسلمانوں کی ناداروں کی ہے اور بہت سے لوگ خط افلاس سے نیچے کی زندگی گزار رہے ہیں۔ بھارت میں شہری مسلمانوں کا اڑتالیس اعشاریہ چار فی صد اور دیہی مسلمانوں کا ۲۶ اعشاریہ اکیانوے فی صد سے زیادہ مسلمانوں کے پاس رہنے کا مناسب مکان نہیں۔مسلمانوں کی فی کس یومیہ آمدنی آٹھ روپے سے کم ہے۔فٹ پاتھ پر سونے والوں کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے۔اس غربت کا افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ جہاں زندگی گذارنا دشوار ہو وہاں تعلیم وترقی کا خواب دیکھنا ناممکن ہے'' ا۔

نزول قرآن کے وقت بھی عرب کے لوگ اسی طرح کی غربت و ناداری میں مبتلا تھے،صنعت و حرفت کا کاروبار بھی بہت کم تھا،تجارت وزراعت بھی معاشرے کے چندلوگوں کے پاس تھی۔نتیجتاً عام طور پرلوگ معاشی مسائل سے دوچار تھے،جس کا واضح ثبوت رسول اللہ ﷺ کی اس دعا سے ملتا ہے جسے آپ نے جنگ بدر کے موقع پر کیا تھا: ''اَللّٰھُمَّ اِنَّھُمْ حُفَاۃٌ فَاحْمِلْھُمْ، وَعُرَاۃٌ فَاکْسُھُمْ، وَجِیَاعٌ فَاشْبِعْھُمْ، وَعَالَۃٌ (اَیْ فُقَرَاءُ) فَاَغْنِھِمْ مِنْ فَضْلِکَ'' ۲۔(اے اللہ! یہ پیدل ہیں ان کو سواری عطا کر، یہ برہنہ جسم ہیں ان کو کپڑے عطا کر، یہ بھوکے ہیں ان کو آسودہ کردے، یہ نادار ہیں ان کو مال دار کردے) ایسے حالات میں قرآن مجید نے ان کے سامنے معاشی

پستی کو دور کرنے کے لیے مکمل خطوط پیش کیے جن پر عمل پیرا ہو کر اس وقت کی امت مسلمہ نے معاشی مسائل پر قابو پایا اور کچھ ہی سالوں میں پورے معاشرہ کو معاشی خوشحالی نصیب ہوگئی۔ اگر آج مسلم امت معاشی بحران سے نکلنا چاہتی ہے تو اسے قرآن مجید کے عطا کردہ نظام معیشت کی طرف آنا ہوگا۔ قرآن مجید نے نظام معیشت کا جو نقشہ پیش کیا وہ عدل وانصاف پر مبنی ہے، معاشرہ کے ہر طبقہ، ہر گروہ کے ساتھ خصوصی رعایت ہے اور ظلم و استحصال کا خاتمہ ہے۔ اس نظام معیشت کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے مولانا نسیم ظہیر اصلاحی رقم طراز ہیں:

''قرآن مجید کے پیش کردہ نظام معیشت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ تمام تر عدل وانصاف پر مبنی ہے، کسی خاص طبقے یا گروہ کے ساتھ خصوصی رعایت اور امتیازی سلوک کا روادار نہیں ہے۔ وہ پوری انسانی برادری کے حقوق و مفادات کے تحفظ کا ضامن ہے۔ ظلم و استبداد یا خصوصی مراعات کے چور دروازے کی وہاں کوئی گنجائش نہیں ہے، اس کی روح یہ ہے کہ افراد معاشرہ کے حقوق کے تحفظ کے ساتھ ساتھ ان میں باہمی پیار و محبت اور الفت و یگانگت قائم رہے اور پورا معاشرہ خوشحالی اور فارغ البالی، امن و سلامتی اور بہی خواہی و ہمدردی کا خوش نما گہوارہ اور طبقاتی جنگ کے بجائے عالم گیر اخوت کا دلکش نظارہ بن کر، حیات انسانی کے مقصد وحید یعنی اللہ اور اس کے بندوں کے درمیانی رشتہ کو مضبوط کرنے اور اخلاق کریمانہ کی رفعتوں تک پہنچانے کی خدمت انجام دے تاکہ حیات دنیوی کی فوز وفلاح حیات اخروی کی سعادت و کامرانی کا ذریعہ بنے۔'' ۳؎

قرآن مجید نے معاشی پستی اور غربت سے نکلنے کے جو ذرائع بیان کیے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

ا۔ دعا

قرآن مجید نے اہل ایمان کو دعا اور دوا دونوں کی تلقین کی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی سکھائی ہوئی دعاؤں میں سب سے مشہور دعا یہ ہے جو تقریباً ہر مسلمان کی زبان پر دعا کے وقت ہوتی ہے:

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرہ:۲۰۱)

(اے ہمارے رب تو ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھلائی دے، اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔)

اس دعا میں حسنہ کا لفظ آیا ہے جو ہر طرح کی جسمانی، روحانی، مادی اور مالی بھلائی پر محیط ہے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے امت کو معاشی حالت کی اصلاح کے لیے یہ دعا سکھائی ہے:

اَللّٰهُمَّ اكْفِنِي بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاغْنِنِي بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ [4]

(اے اللہ! حرام کے مقابلے میں اپنے حلال سے میری کفایت فرما۔ اور اپنی مہربانی سے اپنے ماسوا سے مجھے بے نیاز کر دے۔)

۲۔ محنت

قرآن مجید نے دعا کے ساتھ ساتھ محنت ومشقت اور جسمانی جدو جہد کی بھی تلقین کی ہے اور زمین میں اللہ کے فضل اور رزق کو تلاش کرنے کی پوری آزادی دی ہے ارشاد باری تعالی ہے:

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ (الجمعہ:۱۰)

(پس جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل یعنی رزق تلاش کرو۔)

اس آیت سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ معاش کے لیے جدو جہد میں اپنا وقت لگانے کا حکم دیا گیا ہے۔ صرف دعا پر اکتفا کر کے بیٹھ جانا قرآنی تعلیمات کے خلاف ہے۔ ایک شخص نے امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا کہ اس شخص کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جو یہ سوچ کر گھر یا مسجد میں بیٹھ جائے کہ میری روزی خود بخود میرے پاس پہنچ جائے گی۔ اس کے لیے مجھے محنت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے جواب دیا کہ ایسا شخص جاہل ہے، اسے معلوم نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: 'إِنَّ اللهَ جَعَلَ رِزْقِي تَحْتَ رُمْحِي' [5] (اللہ تعالیٰ نے میرا رزق میرے نیزے کے نیچے رکھا ہے۔) حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالی ایسے شخص کو محبوب رکھتا ہے جو محنت کر کے روزی روٹی حاصل کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ الْمُحْتَرِفَ [6]

(اللہ تعالی اس بندہ مؤمن کو محبوب رکھتا ہے جو پیشہ کے ذریعہ اپنی روزی کماتا ہے۔)

۳۔ تجارت

معاشی پستی سے نکلنے کا ایک بہترین ذریعہ تجارت ہے قرآن مجید نے نہ صرف اس کی اجازت دی بلکہ تجارت کرنے پر ابھارا اور اس کے بڑے واضح اصول بھی متعین کیے ہیں۔ تجارت کی حلت اور ربا

کی حرمت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالی فرماتا ہے: وَأَحَلَّ اللهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا (البقرہ :۲۷۵) ''اور اللہ نے تجارت کو حلال کیا اور ربا (سود) کو حرام قرار دیا ہے۔''

اہل ایمان جب عبادت کی غرض سے بیت اللہ کی زیارت یعنی حج کرنے جاتے ہیں اس وقت بھی ان کو تجارت کرنے سے نہیں روکا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَبْتَغُوا فَضْلاً مِّن رَّبِّكُمْ (البقرہ:۱۹۸)

(اس امر میں کوئی گناہ نہیں کہ تم اپنے رب کے فضل کے طالب بنو۔)

احادیث میں بھی معاشی مسائل کے حل کے لیے نہ صرف تجارت کرنے کی تاکید کی گئی ہے بلکہ تاجروں کے مقام ومرتبہ کو بہت بلند کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: 'اَلتَّاجِرُ الصَّدُوقُ الْأَمِيْنُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَاءِ' ۷ ''سچا، امانت دار تاجر نبیوں، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔''

البتہ قرآن مجید نے تجارت کرنے کے چند زریں اصول بتائے ہیں جن کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے ورنہ معاشرے میں وہی انارکی اور تباہی پھیلے گی جو قارون، ہامان اور فرعون کے زمانے میں آئی تھی۔

۴۔ صنعت

معاشی تنگی کو ختم کرنے اور دولت میں اضافہ کا ایک ذریعہ صنعت بھی ہے۔ قرآن مجید میں ایسی چیزوں کا ذکر ملتا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ صنعت وحرفت کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ سورہ سبا اور سورہ حدید میں تانبا اور لوہا کا ذکر آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان معدنیات کو استعمال کر کے انسان اپنے کام میں لا سکتا ہے اور دولت میں اضافہ کرسکتا ہے۔ چنانچہ آج اطراف عالم پر نظر ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ انہیں معدنیات کو استعمال میں لا کر انسان نے کتنے محیر العقول ایجادات کی ہیں جن سے مخلوق خدا کو بے شمار فائدے پہنچ رہے ہیں۔ قرآن مجید نے حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کی سلطنت اور بادشاہت کا ذکر کرتے ہوئے ان دونوں کا ان دھاتوں سے خوب فائدہ

اٹھانے کا ذکر کیا ہے۔حضرت سلیمانؑ کے سلسلے میں قرآن مجید کہتا ہے:

وَأَسَلۡنَا لَهُ عَيۡنَ الۡقِطۡرِ وَمِنَ الۡجِنِّ مَن يَعۡمَلُ بَيۡنَ يَدَيۡهِ بِإِذۡنِ رَبِّهِ وَمَن يَزِغۡ مِنۡهُمۡ عَنۡ أَمۡرِنَا نُذِقۡهُ مِنۡ عَذَابِ السَّعِيرِ يَعۡمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِن مَّحَارِيبَ وَتَمَاثِيلَ وَجِفَانٍ كَالۡجَوَابِ وَقُدُورٍ رَّاسِيَاتٍ اعۡمَلُوا آلَ دَاوُودَ شُكۡرًا وَقَلِيلٌ مِّنۡ عِبَادِيَ الشَّكُور (سبا:۱۲-۱۳)

(ہم نے اس کے لیے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہا دیا اور ایسے جن اس کے تابع کردیے جو اپنے رب کے حکم سے اس کے آگے کام کرتے تھے۔ان میں سے جو ہمارے حکم سے سرتابی کرتا اس کو ہم بھڑکتی ہوئی آگ کا مزا چکھاتے۔وہ ان کے لیے بناتے تھے جو کچھ وہ چاہتا،اونچی عمارتیں،تصویریں،بڑے بڑے حوض جیسے لگن اور اپنی جگہ سے نہ ہٹنے والی بھاری دیگیں۔اے آل داوٗد!عمل کرو شکر کے طریقے پر۔ میرے بندوں میں کم ہی شکر گزار ہیں۔)

قرآن مجید نے ان چیزوں کا حوالہ اس لیے دیا ہے تا کہ انسان اللہ تعالی کی پیدا کی ہوئی ان معدنیات اور دھاتوں کو صنعتوں میں استعمال کر کے اپنی معاشی تنگی کو ختم کر سکے اور اللہ تعالی کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کر سکے۔

۵۔زراعت

معاشی تنگی سے نکلنے کا ایک اہم ذریعہ زراعت اور کھیتی باڑی ہے۔قرآن مجید جگہ جگہ زمین کو ہموار کرنے اور زمین میں انسانوں کے رزق کی کو موجودگی کی بات کرتا ہے، بلکہ زمین کو انسانوں کے لیے مسخر کیا گیا ہے کہ وہ جیسے چاہے اس سے نفع حاصل کرے اور اپنی معاش کا بندوبست کرے۔ارشاد باری تعالی ہے:

هُوَ الَّذِی جَعَلَ لَكُمُ الأَرْضَ ذَلُولاً فَامْشُوا فِي مَنَا كِبِهَا (الملک:۱۵)

(وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو تابع کر رکھا ہے، چلو اس کی چھاتی پر۔)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَجَعَلۡنَا لَكُمۡ فِيۡهَا مَعَايِشَ (الحجر:۲۰)

(اور اس میں معیشت کے اسباب فراہم کیے۔)

زراعت کا پیشہ بہت نفع بخش پیشہ ہے۔ اسے اختیار کر کے انسان اپنی ذریعہ معاش کا بندو بست تو کر ہی سکتا ہے، اس سے اپنی معاشی پوزیشن مستحکم بھی کر سکتا ہے۔ زراعت سے انسان کو کئی گنا کا نفع حاصل ہوتا ہے۔ اس کا تذکرہ قرآن مجید بڑے دلنشیں انداز سے کرتا ہے:

مَّثَلُ الَّذِيْنَ يُنفِقُوْنَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِّئَةُ حَبَّةٍ وَاللهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَشَاءُ وَاللهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (البقرہ:۲۶۱)

(جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا جائے اور اس سے سات بالیں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں۔ اور اسی طرح اللہ جس کے عمل کو چاہتا ہے، افزونی عطا کرتا ہے۔ وہ فراخ دست بھی ہے اور علیم بھی۔)

امت مسلمہ کی غربت و ناداری کو دور کرنے کے لیے قرآن مجید نے جہاں مذکورہ بالا ذرائع کی نشان دہی کی ہے وہاں دولت کو چند ہاتھوں میں سمٹنے سے بچانے کے لیے اور معاشرے سے غربت و گداگری کو ختم کرنے کے لیے انفاق، زکوۃ اور وراثت و وصیت کا بہت اچھا نظام بھی قائم کیا ہے جس پر عمل پیرا ہو کر معاشرے سے مکمل غربت کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔

۶۔ انفاق

انفاق کے ذکر سے قرآن مجید کے صفحات بھرے ہوئے ہیں۔ جگہ جگہ مختلف انداز سے اللہ تعالی نے خرچ پر ابھارا ہے اور اس مد سے غریبوں اور مسکینوں کی معاشی مدد کرنے کی بھرپور وکالت کی ہے۔ بلکہ سورہ بقرہ میں اسے تو اہل ایمان وتقوی کی پہچان قرار دیا ہے: وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُوْن (البقرہ:۳) ''جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔)''

یہ کوئی اختیاری حکم نہیں ہے کہ چاہیں تو خرچ کریں یا نہ خرچ کریں بلکہ مقام برو احسان پر فائز ہونے کا ایک راستہ قرآن مجید انفاق کو بھی قرار دیتا ہے: لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّون (آل عمران:۶۲) ''تم نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنی وہ چیزیں (خدا کی راہ میں) خرچ نہ کرو جنہیں تم عزیز رکھتے ہو۔''

انفاق یہ ہے کہ اپنی ضرورت اصلیہ سے بچا ہوا سارا مال راہ خدا میں خرچ کیا جائے۔ ارشاد الٰہی

ہے : وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ (البقرہ:۲۱۹) ''اے نبی ! وہ تم سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا (یعنی کتنا) خرچ کریں؟ تم کہہ دو زائد مال (خرچ کرو)۔''

مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ صاحب مال کی حاجات اصلیہ سے فاضل مال ''عفو'' کے دائرہ میں آتا ہے۔ حاجات اصلیہ میں غذا، لباس اور مکان آتے ہیں۔ انسان اپنی آمدنی اور منصب کے اعتبار سے حد اعتدال میں رہ کر ان ضرورتوں کو پوری کرنے کا مجاز ہے اس کے علاوہ باقی سارا مال ''عفو'' کا مصداق ہے۔

۷۔ زکوٰۃ

قرآن مجید نے خرچ کے دو مرتبے بیان کیے ہیں: اعلیٰ اور ادنیٰ۔ اعلیٰ کے حکم میں انفاق آتا ہے جب کہ ادنیٰ زکوٰۃ کے حکم میں ہے۔ انفاق تو اخلاقی اور روحانی فریضہ ہے، جسے ادا کرنے پر قرآن مجید ترغیب کا اسلوب اختیار کرتا ہے جس کا تذکرہ اوپر کیا گیا، اور زکوٰۃ قانونی اور فقہی فریضہ ہے جسے ادا کرنے کا حکم دیتا ہے اور نہ ادا کرنے پر ہولناک عذاب کی دھمکی دیتا ہے۔ زکوٰۃ کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید نماز کے ساتھ فوراً زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیتا ہے۔ اس لیے کہ نماز حقوق العباد سے متعلق تمام احکام کا سرچشمہ ہے تو زکوٰۃ حقوق العباد سے متعلق تمام احکام کا منبع ہے۔ سورہ بقرہ میں ارشاد ہے: وَأَقِيمُوا الصَّلوٰةَ وَآتُوا الزَّكوٰةَ (البقرہ:۴۳) ''اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔''

اسی طرح نیکوکاروں کی نیکیوں کے ضمن میں زکوٰۃ کا بھی تذکرہ ہے:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلوٰةَ وَآتَوُا الزَّكوٰةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (البقرہ:۲۷۷)

(جو لوگ ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں، ان کا اجر بے شک ان کے رب کے پاس ہے اور ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں۔)

۸۔ وصیت

معاشی مسائل کے حل کے لیے قرآن مجید نے وصیت کو بھی اہم ذریعہ بتایا ہے۔ وصیت کے تعلق سے یہ اصول یاد رکھنا چاہیے کہ پورے مال میں سے ایک تہائی مال کی ہی وصیت کی جاسکتی ہے۔ وصیت کا مطلب یہ ہے کہ کسی بڑے کی طرف سے کسی چھوٹے کو کوئی ہدایت وتلقین کرنا، یہ ہدایت صحیح راستہ پر قائم رہنے کی کی جاسکتی ہے اور مال و دولت، زمین وجائداد کی اپنے عزیز واقارب میں تقسیم کی بھی کی جاسکتی ہے۔ قرآن مجید نے ان دونوں صورتوں کے لیے اس لفظ کا استعمال کیا ہے۔ ہم یہاں صرف مال کی وصیت کے تذکرہ پر اکتفا کریں گے۔ وصیت کی ایک شکل تو یہ ہوسکتی ہے کہ کوئی شخص اپنی بیماری یا پیرانہ سالی کی وجہ سے خارجی سہارے کا محتاج ہو اور اس کی دیکھ ریکھ وہ لوگ نہیں کررہے ہوں جو اس کی وفات کے بعد اس کے کل مال کے وارث ہوں گے تو ایسے شخص کو اسلام اجازت دیتا ہے کہ وہ اپنے مال ایک تہائی حصہ کسی ایسے شخص کو وصیت کرے جو اس کی دیکھ ریکھ کرے اور اس کی لٹھیا بنے۔

اسی طرح کبھی کبھی یہ صورت بھی نظر آتی ہے کہ کسی شخص کے بیٹوں میں سے کسی کا انتقال ہو گیا اور اب قانون وراثت کی رو سے اس کے پوتوں کو وراثت میں سے حصہ نہیں دیا جاسکتا تو ایسی صورت میں دادا کو قانون وصیت استعمال کرنے کا پورا اختیار ہے، جس سے اس کے پوتوں کی معاشی تنگی دور ہو گی اور وہ دوسروں کے محتاج نہیں ہوں گے۔ اس قانون وصیت کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ وراثت کی تقسیم سے پہلے اس کے نفاذ کا حکم دیا گیا ہے:

يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ (النساء:۱۱)

(تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تمہیں ہدایت دیتا ہے کہ: مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔ اگر

میت کی وارث دو سے زائد لڑکیاں ہوں تو انہیں ترکے کا دو تہائی دیا جائے۔ اور اگر ایک ہی لڑکی وارث ہو تو آدھا ترکہ اس کا ہے۔ اگر میت صاحب اولاد ہے تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملنا چاہیے۔ اور اگر وہ صاحب اولاد نہ ہو اور والدین ہی اس کے وارث ہوں تو ماں کو تیسرا حصہ دیا جائے اور اگر میت کے بھائی بہن بھی ہوں تو ماں چھٹے حصے کی حقدار ہوگی (یہ سب حصے اس وقت نکالے جائیں گے) جب کی وصیت جو میت نے کی ہو، پوری کر دی جائے اور قرض جو اس پر ہو ادا کر دیا جائے۔)

۹۔ وراثت

امت مسلمہ کے معاشی مسائل کے حل کے لیے ایک اور نہایت اہم ذریعہ وراثت کا ہے۔ وراثت کی تقسیم سے معاشی تنگ دستی کو ایک حد تک ختم کیا جاسکتا ہے اور اس سے احتکار دولت اور ارتکاز زر کا مسئلہ بھی حل کیا جاسکتا ہے۔ ایک شخص کا انتقال ہوتا ہے تو اس کے ورثا چاہے مرد ہوں یا عورت اس کے مال کے مالک ہوتے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے برصغیر میں اور دوسرے اسلامی ممالک میں وراثت کی تقسیم کا وہ نظام رائج نہیں ہے جسے قرآن مجید نے بیان کیا ہے بلکہ لوگ اپنے رسم ورواج کے مطابق متوفی کے مال کی تقسیم کر لیتے ہیں، جس کی وجہ سے معاشرے میں معاشی تنگی پائی جاتی ہے۔ وراثت کی تقسیم کے تعلق سے مسلم امت میں بڑی لاپرواہی پائی جاتی ہے اور کہیں تقسیم کا تذکرہ بھی سننے میں آتا ہے تو اونے پونے تقسیم کی جاتی ہے۔ یہ رویہ قرآنی حکم کے سخت خلاف ہے۔ چاہے وراثت کی تقسیم نہ کرنے کا معاملہ ہو یا اونے پونے کر کے تقسیم کرنے کا، دونوں روش تباہی اور ہلاکت کی ضامن ہے۔ قرآن مجید نے صاف صاف اعلان کر دیا کہ یہ قانون وراثت اللہ تعالی کا بنایا ہوا ہے اور اس کی ٹھہرائی ہوئی حد ہے جو اس قانون کو توڑنے یا اس حد کو پامال کرنے کی کوشش کریں گے وہ جہنم میں جھونک دیے جائیں گے۔ ارشاد الٰہی ہے: **وَمَن يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَاراً خَالِداً فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ** (النساء: ۱۴) ''اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقرر کی ہوئی حدوں سے تجاوز کرے گا اسے اللہ آگ میں

ڈالے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن سزا ہے۔''

خلاصۂ بحث

معاشی مسائل سے متعلق یہ قرآن مجید کے بتائے ہوئے چند اہم حل ہیں، جسے اگر امت مسلمہ اختیار کر لے تو پورے یقین و اعتماد سے کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ پستی ،خوشحالی میں بدل سکتی ہے، اور ذلت ونکبت کی بدلی چھٹ سکتی ہے۔تن آسانی ،مفت خوری اور حرام آمدنی سے توبہ کر کے محنت ومشقت کا راستہ پکڑ لے تو ان شاء اللہ مسلم امت کے ساتھ ساتھ دوسری قوم کے بھی معاشی مسائل حل ہوسکتے ہیں۔اس طرح ایک بار پھر اسلام کی عظمت رفتہ لوٹ آئے گی۔

جو جہد وعمل میں جان کھپا سکتا ہے
اپنی قسمت وہ آپ بنا سکتا ہے
ماتھے سے حرف بدنصیبی زاہد
محنت کا پسینہ ہی مٹا سکتا ہے

حواشی ومراجع

۱۔ محمد سعود عالم قاسمی، اسلام اور عصر حاضر کے مسائل، فیکلٹی دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ۲۰۱۳ء، ص ۱۵۶

۲۔ طبقات ابن سعد، غزوہ بدر

۳۔ نسیم ظہیر اصلاحی، قرآنی نظام معیشت کی بعض خصوصیات، مشمولہ 'معاشی مسائل اور قرآنی تعلیمات' (مجموعہ مقالات) مرتبین، اوصاف احمد وعبدالعظیم اصلاحی، علی گڑھ، ادارہ علوم القرآن، ۲۰۱۱، ص ۴۱

۴۔ سنن ترمذی، ابواب الدعوات

۵۔ فتح الباری، ۱۱۔ ۳۰۶

۶۔ علاء الدین علی المتقی، کنز العمال، کتاب البیوع، الباب الاول فی الکسب، الفصل الاول فی فضائل الکسب والحلال، مطبع دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدرآباد، ج ۲، ص ۱۹۳

۷۔ سنن الترمذی، ابواب البیوع، التجار وتسمیۃ النبی ﷺ

مولانا محمد یوسف اصلاحیؒ — شخصیت کے چند گوشے

نعمان بدر فلاحی

nomanbadaralig@gmail.com

۸۰ کی دہائی میں جب میں نے شعور کی آنکھ کھولی تو اپنے چاروں طرف رام پور سے شائع ہونے والے رسائل و جرائد کا ایک انبار دیکھا۔ میری مراد ہے ہلال، نور، بتول، حجاب، الحسنات اور ذکریٰ سے۔ ان رسالوں کے ذریعہ جن شخصیتوں سے بچپن میں ہی انسیت پیدا ہوگئی تھی ان میں مائل خیر آبادی، مرتضیٰ ساحل تسلیمی، ابوسلیم عبدالحی، مولانا سلیمان قاسمی، ابن فرید، عرفان خلیلی اور ابوالمجاہد زاہد کے علاوہ مولانا محمد یوسف اصلاحی (متوفیٰ ۲۱ر دسمبر ۲۰۲۱ء) کا اسم گرامی بھی سرفہرست ہے۔ میرا خیال ہے کہ رام پور کے ان رسائل نے ایک نسل کی ذہنی، علمی، ادبی اور فکری تربیت میں بڑا اہم اور تاریخی کردار ادا کیا ہے جس پر مفصل تحقیقی کام کی ضرورت ہے۔

مولانا یوسف اصلاحی کے رسالے ذکریٰ (آغاز: اکتوبر ۱۹۷۲ء) میں میری دلچسپی بطور خاص ان کے سفرناموں میں ہوتی تھی۔ امریکہ کا جب بھی سفر کرتے تو اس کی لمحہ بہ لمحہ روداد رواں، شستہ اور سلیس زبان میں دوران سفر ہی مرتب کرتے جو ذکریٰ میں شائع ہوتی۔ آخری عمر میں غالباً صحت کے مسائل کی وجہ سے انہوں نے روداد سفر مرتب کرنے کا سلسلہ روک دیا تھا۔ ان سفرناموں میں مضمون کی مناسبت سے قرآنی آیات اور احادیث بھی رقم کرتے، تذکیر بھی ہوتی، آخرت اور فانی زندگی کی حقیقت کا پرسوز بیان بھی ہوتا، اسلام اور مسلمانوں کی موجودہ صورت حال کا تذکرہ ہوتا، سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقیات کے ساتھ جغرافیہ اور تاریخ کے مضامین بھی آتے۔ سفرناموں کی صنف میں انہیں اس پہلو سے امتیازی حیثیت حاصل ہے کہ وہ تذکیر اور تزکیہ کے مقصد کو پورا کرتے تھے۔ جاپان کا ایک سفرنامہ 'جاپان اور پیغام حق' کے عنوان سے اور حیدرآباد کا ایک سفرنامہ 'اللہ کا پیغام (حیدرآباد میں

۱۳ دن)' کے نام سے مکتبہ ذکریٰ نے شائع بھی کیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ مولانا کے دیگر سفرناموں کا مجموعہ بھی جلد منظر عام پر آئے گا۔

مولانا کے قائم کردہ مکتبہ ذکریٰ نے اسلامی ادبیات اور بیرونی ممالک کے تحریکی لٹریچر تک اسلامیان ہند کی رسائی کو آسان بنایا۔ عیسائی نگر، ہلدوانی (ضلع نینی تال) میں نانا جان مرحوم لطف الرحمان اعظمی (متوفیٰ اکتوبر ۲۰۰۲ء) کے ذاتی کتب خانہ میں مکتبہ ذکریٰ سے شائع جن علمی کتابوں کا مطالعہ بچپن میں کیا تھا، ان میں الاخوان المسلمون کے مرشد عام شیخ عمر تلمسانی کی عربی تصنیف 'ذِكرَيَاتٌ لَا مُذَكَّرَاتٌ' کا اردو ترجمہ 'یادوں کی امانت' (مترجم حافظ محمد ادریس) کے علاوہ اخوانی رہنما احمد رائف کی تصنیف 'اَلْبَوَّابَةُ السَّوْدَاءُ' کا اردو ترجمہ 'روداد ابتلاء' (مترجم خلیل حامدی) نے بطور خاص میرے ذہن و دل پر گہرے نقوش مرتب کیے تھے۔ مذکورہ بالا دونوں کتابوں میں اخوان کے اکابرین پر مصری صدر جمال عبد الناصر کے کارندوں نے پس دیوار زنداں ظلم و ستم کے جو پہاڑ توڑے اور تعذیب و تشدد کی جن بھٹیوں میں ان کو جلایا اور تپایا تھا، اس کی دل گداز داستان موجود ہے۔ آبادشاہ پوری کی تصنیف 'سید بادشاہ کا قافلہ' اور سید اسعد گیلانی کی 'تحریک مجاہدین' وغیرہ نے بھی طالب علمی کے ابتدائی زمانے میں میرے ذہنی سانچے کو ڈھالنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ مکتبہ ذکریٰ کی مطبوعات میں مولانا گوہر رحمان کی 'اسلامی سیاست' بھی ایک مستند اور علمی کتاب ہے جو بہت سے شکوک و شبہات رفع کرتی ہے۔

مولانا یوسف اصلاحی کی تصنیفات میں سیرت پر 'داعی اعظم' رواں، عام فہم اور سادہ اسلوب میں ایک ایمان افروز کتاب ہے جو قاری کو متاثر کرتی ہے۔ مولانا کی زبان آسان اور رواں ہوتی ہے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں شعبۂ عربی کے استاذ پروفیسر ابوسفیان اصلاحی کے مطابق:

> ''مولانا یوسف اصلاحی کوئی عظیم دانشور اور فلسفی نہیں تھے، بلکہ ان کی اصل حیثیت ایک داعی دین اور مذکّر کی تھی۔ امریکہ اور جاپان جیسے ترقی یافتہ اور خوش حال ممالک ان کی دعوتی سرگرمیوں کے مرکز تھے۔ قرآنی درس گاہ مدرسۃ الاصلاح میں مولانا اختر احسن اصلاحی کی شاگردی اور اصلاح سے

فراغت ان کا ایک امتیازی وصف ہے۔سورہ یٰسین کی جو تفسیر انہوں نے لکھی ہے وہ بڑی معرکۃ الآراء ہے''۔

تایاابو، ڈاکٹرنورالدین اصلاحی (فراغت ۱۹۶۰ء) نے مجھے بتایا کہ:

''میں نے اصلاح پر مولانا یوسف صاحب کو دیکھا ہے، وہ فضیلت کے آخری درجات میں تھے۔ عبدالمجید اصلاحی (جیراج پور)، مظہرالحق اصلاحی اور عبدالقدیر اصلاحی وغیرہ ان کے ساتھیوں میں تھے۔اگر کوئی استاد مطالعہ کے بغیر درجہ میں آ گیا تو یہ لوگ چلنے نہیں دیتے تھے۔مولانا یوسف صاحب اچھے حافظ تھے، قرآن پڑھنے کا انداز بڑا پرسوز تھا۔کبھی کبھی مدرسہ کی مسجد میں اذان دیتے اور امامت بھی کرتے تھے۔غالباً ۱۹۵۳ء میں اصلاح سے فارغ ہوئے ہیں''۔

مرکزی درسگاہ اسلامی رامپور کے سابق طالب علم جناب رضی خاں آفریدی (سابق استاذ سینئر سکنڈری اسکول، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) ماضی کے اوراق پلٹتے ہوئے کہتے ہیں:

''میں ۱۹۵۱ء میں درسگاہ اسلامی رامپور میں داخل ہوا تھا۔۱۹۵۷ء میں آٹھویں کلاس کے بعد میں نے درسگاہ کے ناظم افضل حسین صاحب سے درخواست کی کہ اب ہم لوگ کہاں جائیں گے؟ آپ ہمارے لیے یہیں کوئی انتظام کردیں، اس وقت صرف درجہ ہشتم تک ہی تعلیم کا انتظام تھا۔ چنانچہ ہماری درخواست پر غور کرتے ہوئے پس وپیش اور تذبذب کے بعد بالآخر انہوں نے نویں کلاس کا آغاز کردیا، بڑی کوششوں اور خط وکتابت کے بعد ۹ طلبہ جمع ہو گئے تو مولانا محمد یوسف اصلاحی کو ہمارا کلاس ٹیچر اور استاذ مقرر کیا گیا جو دو سال تک یعنی نہم اور دہم میں ہمیں تفسیر' حدیث' فقہ اور عربی ادب وغیرہ پڑھاتے رہے۔میری یادداشت کے مطابق افضل حسین صاحب نے انہیں بریلی سے بلایا تھا، کیونکہ اس سے قبل ہم نے انہیں کبھی رام پور میں نہیں دیکھا تھا۔مجھے یاد آتا ہے کہ مولانا نے ہمیں قدوری، بلوغ المرام، کلیلہ و دمنہ، امثال آصف الحکیم کے علاوہ مسلم شریف کے چند ابواب بھی پڑھائے ہیں''۔

درسگاہ اسلامی رامپور کے سابق استاذ مولانا عبدالسلام بستوی نے بتایا:

''مجھے درسگاہ کے بعض سابق طلبہ سے معلوم ہوا ہے کہ مولانا یوسف اصلاحی صاحب ۱۹۶۵ء تک

مرکزی درسگاہ اسلامی میں تدریسی خدمت انجام دیتے رہے ہیں۔ بعد ازاں وہ جماعت اسلامی کے ادارۂ تصنیف وتالیف اسلامی سے وابستہ ہوئے اور اسی زمانے میں انہوں نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب 'آداب زندگی' تصنیف کی جس کے متعدد زبانوں میں ترجمہ ہو چکے ہیں۔ ۱۹۷۰ء میں جب ادارۂ تصنیف رام پور سے علی گڑھ منتقل ہوا تو مولانا نے علی گڑھ جانے سے معذرت کرلی اور ۱۹۷۲ء میں اپنا ماہ نامہ ذکریٰ کے نام سے جاری کیا۔ ۱۲ر ستمبر ۱۹۹۳ء کو وہ اپنے خسر جناب توسل حسین صاحب کی وفات کے بعد جامعۃ الصالحات مسلم گرلز ایجوکیشنل سوسائٹی کے تحت چلنے والے لڑکیوں کے مدرسہ جامعۃ الصالحات (بانی مولانا عبد الحی صاحب) کے ناظم بنائے گئے اور تاحیات اس عہدہ پر فائز رہے۔ ۱۹۸۸ء میں جب جماعت اسلامی نے مرکزی درسگاہ کو رام پور کی مقامی کمیٹی کے حوالے کیا تو جناب توسل حسین صاحب کو درس گاہ کی مجلس منتظمہ کا صدر اور مولانا محمد یوسف اصلاحیؒ کو ان کا نائب مقرر کیا گیا۔ ۱۹۹۳ء میں جناب توسل حسین صاحب کی وفات کے بعد مولانا اصلاحی مجلس منتظمہ کے صدر بنائے گئے اور ۲۰۱۵ء تک وہ اس عہدہ پر فائز رہے''۔

مجھے مختلف مواقع پر مولانا کی گفتگو اور تقریر سماعت کرنے کا موقع ملا۔ وہ کوئی شعلہ بیان خطیب تو نہیں تھے مگر مدھم اور نرم لب و لہجہ میں اُن کی مفصل، مربوط، جامع اور معتدل گفتگو دلوں میں راسخ ہو جاتی تھی۔

متعدد مواقع پر اُن سے جامعۃ الصالحات رامپور میں ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ ہمیشہ مسکراتے ہوئے بڑی محبت اور شفقت کا مظاہرہ کیا۔ اپنے شاگرد اور میرے ماموں فیض الرحمان صاحب مرحوم، تایا ابو ڈاکٹر نور الدین اصلاحی اور والد محترم حافظ بدر الدین فلاحی صاحب سے اپنے تعلق خاطر کا ذکر کرتے۔ فروری ۲۰۲۱ء میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ (سابق استاذ شعبۂ انگریزی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) کی حیات وخدمات پر اپنے مقالے کی تیاری کے دوران جامعۃ الصالحات کے قیام کی تاریخ معلوم کرنے کی ضرورت پیش آئی تو جماعت اسلامی اور رامپور سے منسلک دیگر ذمہ دار افراد کے علاوہ میں نے مولانا یوسف اصلاحی صاحب سے بھی فون پر گفتگو کے دوران اس ضرورت کا اظہار کیا کہ مرکزی درسگاہ اسلامی رامپور اور جامعۃ الصالحات کی تاریخ جلد مرتب کی جانی چاہیے تاکہ نئی نسل تعلیم کے

میدان میں ہندوستان میں تحریک اسلامی کی خدمات اور بزرگوں کی مساعی سے واقف اور آگاہ ہو سکے۔ میری اس تجویز سے مولانا بے انتہا خوش ہوئے اور کہنے لگے ''میاں آپ ایک بریف کیس میں دو جوڑ کپڑے رکھیے اور کچھ دنوں کے لیے میرے پاس رام پور آجائیے، آپ کے قیام اور طعام کا میں نظم کر دیتا ہوں۔ بس فوراً اس کام کا آغاز کر دیجیے'۔ افسوس صد افسوس کہ کرونا کی مہلک وبا اور اپنی تعلیمی مصروفیات کے سبب میں رام پور نہ جا سکا۔ اب مولانا کی رحلت کے بعد کفِ افسوس مل رہا ہوں ہے کہ ایک سنہری موقع تھا مولانا سے استفادہ کرنے اور دستاویزی معلومات جمع کرنے کا جو ہاتھ سے چلا گیا۔

طلبہ سے ربط وتعلق

مولانا محمد یوسف اصلاحی نوجوانوں اور طلبہ سے محبت کرتے اور ان سے یک گونہ قربت رکھتے تھے۔ ۲۵ ر اپریل ۱۹۷۷ء کو ایمرجنسی کے خاتمہ کے بعد علی گڑھ میں قائم ہونے والی مسلمان طلبہ اور نوجوانوں کی پہلی کل ہند تحریک ایس آئی ایم آف انڈیا کے مختلف اہم تربیتی اجتماعات میں شریک ہوتے رہے ہیں۔

'ایس آئی ایم' کی جانب سے ہندوستان میں تحریک اسلامی سے وابستہ طلبہ ونوجوانوں کی علمی، فکری، نظریاتی اور عملی تربیت کے لیے ۱۳ — ۲۰ ر جون ۱۹۷۷ء کو پڑوسی ملک نیپال کے پر فضا پہاڑی مقام پوکھرا میں منعقد ہونے والے پہلے ہفت روزہ مرکزی کل ہند تربیتی اجتماع میں صحیح خطوط پر ذہن سازی کے لیے جماعت اسلامی ہند کی مرکزی قیادت اور اکابرین کے ساتھ مولانا محمد یوسف اصلاحی بھی موجود تھے۔ کیمپ میں مولانا نے 'مومن کے اوصاف' کے عنوان سے سورہ المومنون کی ابتدائی گیارہ آیات کا درس دیا تھا۔ اسی تربیتی کیمپ میں مولانا کی ایک تقریر 'تحریک اسلامی کے کارکنوں کا کردار' کے موضوع پر ہوئی تھی جو آج تقریباً ۴۵ برس کے بعد بھی اہم معلوم ہوتی ہے۔

اسی طرح ریاست اتر پردیش میں ایس آئی ایم کے انصار وامیدواران انصار کا سالانہ تربیتی اجتماع مورخہ ۲۹ مئی تا یکم جون ۱۹۸۳ء کو رامپور کے 'بے نظیر باغ' میں منعقد ہوا تھا جس میں تقریباً ۵۰

منتخب افراد نے شرکت کی تھی۔ سورۃ العصر اجتماع کا مرکزی موضوع تھی۔ مولانا محمد یوسف اصلاحیؒ بھی نوجوانوں کی تربیت کے لیے شریک اجتماع رہے اور وہاں ''ایمان، حقیقت اور تقاضے'' کے موضوع پر ایک پر مغز تقریر کے علاوہ سورۃ المومن (غافر) کی اُن آیات کا درس دیا جس میں فرعون کے دربار میں موجود 'رجل مومن' کا تذکرہ ہے جس نے اپنے ایمان کو مصلحتاً کسی مناسب موقع تک پوشیدہ رکھا تھا۔

راجستھان میں سطح سمندر سے تقریباً ۵ ہزار فیٹ کی بلندی پر واقع ایک پر فضا پہاڑی مقام 'ماؤنٹ آبو' ہے جہاں کی 'نکی' جھیل پوری دنیا سے سیاحوں کو اپنی جانب کھینچتی ہے۔ سیر و سیاحت کے اس مرکز میں اسلامی طلبہ تحریک سے وابستہ ۱۲۰ نوجوان ۸ دنوں کے تربیتی سفر پر کہنہ مشق تحریکی گائڈس کے ساتھ ۲۶/ جون ۱۹۸۵ء کو اپنے چھٹے کل ہند مرکزی تربیتی کیمپ میں شرکت کے لیے پہنچے اور ۳/ جولائی ۱۹۸۵ء تک پہاڑوں پر روئی کے گالوں کی طرح ہوا میں اڑتے بادلوں کے درمیان علم و فضل کے لعل و گہر سے اپنے دامن مراد کو بھرتے رہے۔

ماؤنٹ آبو کا یہ کیمپ اس لحاظ سے تاریخی تھا کہ گو اِس کا مرکزی موضوع ''ہندوستان میں اسلامی انقلاب کا طریقۂ کار' تھا، مگر عملاً ''طاغوت'' کی اصطلاح مرکزی عنوان بن گئی تھی۔ کیمپ میں جو اصطلاح سب سے زیادہ زیر بحث، موضوع گفتگو اور نجی محفلوں میں باہم گرما گرم تبادلہ خیالات کا سبب بنی وہ ''طاغوت'' کی اصطلاح تھی۔ ہر رفیق کتاب و سنت کی روشنی میں نئے نئے طاغوت تلاش کرتا رہا۔ چھوٹے طواغیت کی شناخت میں بعض رفقاء کا ایک دوسرے سے اختلاف بھی ہوا۔ کسی کا نقطہ نظر مثبت تھا تو کسی کا منفی، کسی کا تجزیہ نظری و اصولی تھا تو کسی کا عملی اور تشبیہی۔

مولانا عروج قادری صاحب نے ہندو سماج کے مختلف طاغوتوں کی نشاندہی کی۔ ان کے نزدیک یہاں کا مذہبی طاغوت، شرک، کفر اور الحاد ہے۔ سیاسی طاغوت، پہلے راجہ مہاراجہ، پروہت اور مہنت ہوتے تھے، آج مغربی سیکولر جمہوریت ہے۔ سود اور جوا معاشی طاغوت ہیں۔ نسلی غرور، چھوت چھات اور جہیز سماجی طاغوت ہیں۔ کرپشن اور نفع اندوزی، اخلاقی طاغوت ہیں۔ مکر و فریب،

مولانا محمد یوسف اصلاحی

جھوٹ اور منافقت بین الاقوامی معاملات کے طاغوت ہیں۔ مولانا یوسف اصلاحی صاحب نے اس کیمپ میں درس قرآن کے علاوہ 'انقلابی نوجوانوں کی صفات' کے عنوان پر ایک تقریر کی تھی۔

حوالے

اس مضمون کی تیاری میں درج ذیل تحریروں اور گفتگوؤں سے مدد لی گئی ہے:

۱۔ 'خبرنامہ' تحریک اسلامی نمبر، اشاعت ثانی جولائی ۲۰۰۱ء، ۱۵۱ سی، ۹ ذاکر نگر، اوکھلا، نئی دہلی ۲۵

۲۔ کاروان جنوں (پہلی کل ہند اسلامی طلبہ تحریک کی داستان عزیمت) جلد اول قیام تا ۱۹۸۵ء، مرتب نعمان بدر فلاحی، غیر مطبوعہ۔

۳۔ ماہ نامہ ذکریٰ، نومبر ۱۹۷۲ء، بیت السعادت' گھیر سیف الدین، رام پور، یوپی۔

۴۔ پندرہ روزہ اسلامک موومنٹ اردو، ۱۵ جون ۱۹۸۳ء، ۱۵۱ سی، ذاکر نگر، دہلی ۲۵۔

۵۔ ماہ نامہ اسلامک موومنٹ اردو، اگست ۱۹۸۵ء، ۱۵۱ سی، ذاکر نگر، دہلی ۲۵۔

۶۔ گفتگو۔ ڈاکٹر نور الدین اصلاحی، ہلدوانی، نینی تال، ۲۷ر دسمبر ۲۰۲۱

۷۔ گفتگو۔ جناب رضی خاں آفریدی، علی گڑھ، ۲۸ر دسمبر ۲۰۲۱

۸۔ گفتگو۔ جناب مولانا عبد السلام بستوی، رام پور، ۲۸ر دسمبر ۲۰۲۱

۹۔ گفتگو۔ جناب سلمان اسد بن مولانا یوسف اصلاحی، رام پور، ۲۸ر دسمبر ۲۰۲۱

"نومبر ۲۰۱۲ میں جامعۃ الفلاح کے قیام کے پچاس سال پورے ہونے پر گولڈن جوبلی منانے کا اہتمام کیا گیا۔ پہلے روز مغرب کے بعد تقاریر کا پروگرام تھا۔ معزز مہمانوں سے قبل میری بیس منٹ کی تقریر 'مدارس اور چیلنجز' پر تھی۔ تقریر کے بعد میں مہمانوں کے پیچھے صف میں بیٹھ گیا۔ مولانا یوسف صاحب اگلی صف میں تشریف فرما تھے۔ انہوں نے اپنا رخ میری طرف موڑا اور پوچھا کہ جو تقریر تم نے کی ہے کیا اس کے نوٹس تمہارے پاس ہیں۔ میں نے اسی وقت نوٹس لکھ کر انہیں دے دیے۔ مجھے نہیں معلوم کہ ان نوٹس کا انہوں نے کیا کیا۔ البتہ ایک معتبر اہل قلم کی طلب میری حوصلہ افزائی اور اعتماد میں اضافہ کا سبب ضرور بنی۔"

(رضوان احمد فلاحی)

علوم القرآن

محمد انس فلاحی مدنی

ڈاکٹر ابو سعد اعظمی، علوم القرآن، ناشر براؤن بک پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۲۰۲۱ء، صفحات: ۱۵۲

قرآن مجید علوم و معارف کا سرچشمہ ہے۔ اکتسابِ علم اور زندگی کا الٰہی نقشہ معلوم کرنے کے لیے قرآن مجید کا سمجھنا ضروری ہے اور فہمِ قرآن کے لیے اس کے اصول و مبادی کا علم لازمی ہے۔ قرآن کا نزول کیسے ہوا؟ وحی کی حقیقت کیا ہے؟ قرآن مجید اور دیگر آسمانی کتب میں کتنی مماثلت ہے؟ اور اس کے امتیازات ہیں؟ تدوین قرآن کی تاریخ کیا ہے؟ مصادرِ تفسیر اور فہم قرآن کے لیے معاون امور کیا ہیں؟ یہ موضوعات 'علوم القرآن' میں زیر بحث آتے ہیں۔

علوم القرآن پر عربی اور اردو میں خاصا کام ہوا ہے۔ علامہ زرکشیؒ کی 'البرہان فی علوم القرآن'، علامہ سیوطیؒ کی 'الاتقان فی علوم القرآن'، ڈاکٹر صبحی صالح کی 'علوم القرآن' اور اردو میں مفتی محمد تقی عثمانی کی 'علوم القرآن' مقبول اور مشہور کتابیں ہیں۔ زیر نظر کتاب کا بھی یہی موضوع ہے۔ یہ اصلاً پروفیسر خلیق احمد نظامی قرآنک سینٹر (علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی) کے درسی نصاب کے پروجیکٹ کا حصہ ہے۔

مصنف ڈاکٹر ابو سعد اعظمی نے مدرستہ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ سے فراغت کے بعد شعبۂ عربی، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے۔ اس وقت ادارۂ علوم القرآن، علی گڑھ سے بہ حیثیت رفیق وابستہ ہیں۔ عربی اور اردو دونوں زبانوں میں ان کے متعدد مقالات شائع ہو چکے ہیں۔

کتاب تین ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول کا عنوان ہے: 'وحی۔ مفہوم، حقیقت اور مستشرقین'۔ اس باب میں وحی کے لغوی اور اصطلاحی معانی، اس کی اقسام اور صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ قرآن مجید

سے متعلق مستشرقین کے نظریے اور رویّے کا ذکر کیا گیا ہے کہ مشرکین مکہ کی طرح وہ بھی قرآن کو انسانی کلام ثابت کرنا چاہتے ہیں، اس لیے کہ انسانی کلام ثابت کر کے اس میں نقائص نکالنا اور لوگوں کے دلوں سے اس کی عقیدت واحترام کو ختم کرنا آسان ہوگا۔ قرآن کے وجوہِ اعجاز میں نبی کریمؐ کی امّیت، واقعاتِ غیب، فصاحت و بلاغت اور قرآنی احکام کے ذکر کے ساتھ مستشرقین کے اس اعتراض کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے کہ قرآن سابقہ کتبِ مقدّسہ سے ماخوذ ہے اور بتایا گیا ہے کہ قرآن اور کتبِ سابقہ میں مماثلت کا پایا جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ اسی ہدایت کا تسلسل ہے جو وحیِ ربانی کی صورت میں نازل ہوئی تھی۔ اس کے بعد قرآن مجید کا تعارف، امتیازی خصوصیات اور دیگر آسمانی صحائف اور کتابوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ قرآن، حدیث اور حدیثِ قدسی کی تعریفات بیان کرتے ہوئے ان کے درمیان فرق واضح کیا گیا ہے۔

باب دوم، جو کتاب کا سب سے طویل باب ہے، 'حفاظتِ قرآن اور اس کے مختلف مراحل کا تذکرہ' کے عنوان سے ہے۔ اس میں مصنف نے نزولِ قرآن، آغاز، کیفیت، ترتیب کا ذکر کرنے کے ساتھ تدریجی نزول کی حکمتیں بیان کی ہیں۔ حفاظتِ قرآن اور تدوینِ قرآن کی بحث کا جامع خلاصہ پیش کیا ہے۔ تدوینِ قرآن کے سلسلے میں مستشرقین کے اعتراضات کا جواب علماء سلف وخلف کی آراء کی روشنی میں دیا ہے۔ تدوین قرآن سے متعلق روایات کا اضطراب، صحیح احادیث اور علمائے اسلام کا نقطۂ نظر سلیقے سے عام فہم انداز میں نقل کیا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے دونوں نقطہ ہائے نظر کہ تدوین قرآن عہد نبویؐ میں ہی ہوگئی تھی، یا یہ کام عہد صدیقی میں ہوا تھا، بیان کرنے کے بعد اپنی رائے کا واضح لفظوں میں اظہار نہیں کیا ہے، البتہ وہ اول الذکر رائے کے حق میں مولانا فراہیؒ کے پیش کردہ دلائل سے مطمئن نظر آتے ہیں۔ باب کے اخیر میں مکی ومدنی سورتوں کی خصوصیات وامتیازات کا ذکر ہے۔

باب سوم کا عنوان ہے: 'علم تفسیر۔ آغاز وارتقاء اور اہم مفسرین کے حالات'۔ اس میں علم تفسیر کے آغاز وارتقاء، ضرورت اور حکم پر بحث کی گئی ہے۔ اسی ضمن میں تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرائے کی تعریفات اور حدود بیان کیے گئے ہیں، نیز مصادر تفسیر: قرآن، حدیث، آثار باقی صفحہ ۹۴ پر

جامعہ کے لیل ونہار

مصباح الباری فلاحی

'شوق علم اور تعلیمی یکسوئی کامیابی کی کلید ہیں'۔
مفتی صباح الدین ملک فلاحی

استاد جامعہ، مفتی صباح الدین ملک فلاحی قاسمی صاحب نے بعض طلبہ کے تجربات ومشاہدات بیان کرتے ہوئے انہیں خوب محنت کرنے، کرتے رہنے، وقت کو منظم کرنے اور طلبِ علم کا شوق پیدا کرنے کی تلقین کی۔ انہوں نے کہا کہ جامعہ میں آپ کے پاس جو وقت ہے اس میں تعلیم کے لیے یکسو ہو جائیے، علم کی جستجو میں لگ جائیے، اللہ کے سامنے ہاتھ اٹھائیے، محنت اور شوق سے علم کی تلاش میں لگ جائیے، تبھی کامیابی ہاتھ آئے گی۔ آپ خوب محنت کریں اور اچھا رزلٹ والدین کے سامنے آئے تو والدین خوش ہوں گے اور اس طرح آپ کی یہاں آمد کا مقصد پورا ہوگا۔ موصوف ۱۵ر ستمبر کو ابو اللیث ہال میں طلبہ کے ایک اجتماع سے خطاب کر رہے تھے۔

....

'تربیت کے بغیر تعلیم ایک ناقص عمل ہے'۔ مولانا ولی اللہ سعیدی فلاحی

۲۵ر ستمبر کو ابو اللیث ہال میں طلبہ کے ایک اجتماع کو مخاطب کرتے ہوئے مولانا ولی اللہ سعیدی فلاحی صاحب نے فرمایا کہ تعلیم، تربیت کا ذریعہ ہے۔ تعلیم سے زیادہ اہمیت تربیت کی ہوتی ہے، اس کے بغیر تعلیم ادھورا عمل ہے۔ اسی سے ایمان میں نکھار آتا ہے۔ ایمان اور اخلاص کا باہمی ربط حب رسولؐ سے عبارت ہے۔ ایمان کی معراج اخلاص ہے، جو کام بھی ہم کریں وہ اس لیے کریں کہ اللہ راضی ہو جائے۔ ہمارا ہر عمل ریا کاری، دکھاوے اور شہرت سے پاک ہو۔ ایمان اور اخلاص سے ہی کامیابیاں ملتی ہیں۔ دلوں کے اندر اللہ اور رسول ﷺ کی محبت اخلاص سے پیدا ہوتی ہے۔ نماز

ذ کر ہے، روزہ سے تقویٰ اور زکوٰۃ سے دلوں کی تطہیر ہوتی ہے۔ ہندوستان میں اللہ کا پیغام پہنچانا ہے، اس کے لیے جذبہ قربانی کی ضرورت ہے اور یہ حبِ رسول ﷺ اور ذکر اللہ کے بغیر ناممکن ہے۔ جب آدمی بے پناہ محبت نہیں رکھے گا تو قربانی کیسے دے گا؟ نظامت کے فرائض مولانا اخلاق احمد کریمی قاسمی صاحب نے انجام دیے۔

....

جامعہ میں ششماہی امتحان اور بیک پیپرز کا آغاز

۱۸/ اکتوبر ۲۰۲۱ء سے جامعہ کے تمام شعبۂ جات میں ششماہی امتحانات کا آغاز ہوا جن کا یکم نومبر ۲۰۲۱ء کو اختتام ہوا۔ روزانہ پہلی شفٹ میں ششماہی امتحان اور دوسری شفٹ میں بیک پیپر ہوئے۔ عربی دوم وسوم اور ثانوی کے بیک پیپرز تقریری اور عربی چہارم تا فضلیت کے بیک پیپر تحریری ہوئے۔ ۲/ نومبر ۲۰۲۱ء کو تعطیل کا اعلان کیا گیا اور ۳/ نومبر ۲۰۲۱ء کو دوسری ششماہی کا آغاز ہوا۔ ۲/ نومبر ۲۰۲۱ء کو طلبہ و طالبات کے لیے جامعہ کی طرف سے عشائیہ کا نظم کیا گیا تھا۔ ۲۷/ نومبر ۲۰۲۱ء کو ششماہی امتحانات کے نتائج کا اعلان کر دیا گیا۔

....

ماہر تعلیم جناب سید تنویر احمد کی جامعہ آمد پر پروگرام کا انعقاد

ابواللیث ہال میں ۱۳/ اکتوبر ۲۰۲۱ کو ایک پروگرام جناب سید تنویر احمد صاحب کی آمد پر منعقد ہوا۔ مولانا اقبال احمد اصلاحی ندوی کی تلاوت قرآن مع ترجمہ سے پروگرام کا آغاز ہوا۔ صدر مدرس مولانا انیس احمد مدنی نے نقابت کے فرائض انجام دیتے ہوئے مہمان گرامی کا تعارف کرایا کہ آپ کا تعلق کرناٹک سے ہے۔ آپ شعبۂ صحافت، دعوت اور تدریس سے وابستہ ہیں۔ ایس آئی او کے آل انڈیا سکریٹری بھی رہ چکے ہیں۔ کرناٹک حکومت کی نصاب کی تیاری میں شمولیت رہی ہے۔ ماہ نامہ 'زندگی نو' میں تعلیم کے موضوع پر آپ کے مضامین شائع ہوتے ہیں۔

مہمانِ گرامی جناب سید تنویر احمد نے 'سبق کی منصوبہ بندی اور دروس میں اخلاقیات کی شمولیت اور

اس کے طریقۂ کار' پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ استاد کا کام شخصیت کا ارتقاء ہے، اور زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھانا استاد کا دوسرا اہم کام ہے۔ یعنی استاد کا کام ٹرانسفر آف نالج نہیں ہے بلکہ اس کا کام لائف اسٹائل سکھانا ہے۔

موصوف نے اپنی گفتگو میں اقدار اور اخلاقیات پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا: اقدار اور اخلاقیات بہت اہم چیز ہیں۔ اخلاقیات سے معاملات کا اظہار ہوتا ہے۔ استاد کے تین اہم کام ہوتے ہیں (۱) شخصیت سازی، (۲) لائف اسٹائل یا آرٹ آف لِوِنگ، اور (۳) بچوں میں اقدار پیدا کرنا۔ استاد ایک مربی ہوتا ہے یعنی جو کہتا ہے وہ پہلے خود کرتا ہے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین نے کہا تھا کہ استاد کے اندر تین صفات ہونی چاہییں، (۱) گفتار، (۲) کردار، اور (۳) دستار، یعنی آپ اچھے اور پاک وصاف ہوں۔ اخیر میں مہتمم تعلیم وتربیت مولانا جاوید سلطان فلاحی نے کلمات تشکر پیش کیے۔ اس کامیاب پروگرام میں جامعہ کے تمام شعبہ جات کے اساتذہ ومعلمات نے شرکت کی۔

....

الفلاح اسپتال کی مجلس منتظمہ کی تشکیل نو

ناظم جامعہ کے دفتر سے جاری ایک نوٹ (AH383/21، مؤرخہ ۱۹؍دسمبر ۲۰۲۱) کے مطابق الفلاح اسپتال کی مجلس منتظمہ کی تشکیل نو انجام پا چکی ہے۔ درج ذیل افراد نئی تشکیل شدہ مجلس منتظمہ کے ارکان ہیں:

۱- مولانا طاہر مدنی (بحیثیت ناظم جامعہ)، ۲- ڈاکٹر عمیر احمد (بحیثیت نائب ناظم وڈائرکٹر اسپتال)، ۳- ڈاکٹر ابوشحمہ (بحیثیت معتمد مال)، ۴- ڈاکٹر کمال الدین (اعظم گڑھ)، ۵- ڈاکٹر محمد اکمل (بلریا گنج)، ۶- ڈاکٹر ابوہریرہ (بلریا گنج)، ۷- ڈاکٹر محمد افضل فلاحی (بلریا گنج)، ۸- ڈاکٹر شاداب احمد شیخ (بلریا گنج)۔

....

ڈاکٹر محمد داؤد کے سانحہ ارتحال پر تعزیتی نشست

۲۱؍دسمبر ۲۰۲۱ء — ابواللیث ہال میں ایک نشست جناب ڈاکٹر محمد داؤد مرحوم کی تعزیت کے سلسلے میں منعقد ہوئی جن کا انتقال ایک روز قبل یعنی ۲۰؍دسمبر کو ہوا۔ مرحوم جامعہ کی شوریٰ کے تاسیسی رکن تھے اور جامعہ کی مختلف ذمہ داریوں پر بھی فائز رہے۔ محمد مبشر خان (متعلم عربی اول، الف) کی تلاوتِ قرآن سے نشست کا آغاز ہوا۔ مولانا عبدالعظیم فلاحی صاحب (نگرانِ اعلیٰ) نے بتایا کہ ڈاکٹر داؤد جامعہ میں اپنی ذمہ داریوں کو صحیح طریقے سے ادا کرتے تھے اور جامعہ کے لیے فکرمند بھی رہتے تھے۔ پیشے کے اعتبار سے ڈاکٹر تھے۔ علاقہ کے لوگ ان سے خاصی انسیت رکھتے تھے۔ مرحوم دوائیں سستی اور مفت بھی دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دست شفا عطا کیا تھا۔ لوگ ان کا بہت احترام کرتے تھے۔

ناظم جامعہ مولانا محمد طاہر مدنی نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر محمد داؤد مرحوم نوے یا اکیانوے سال کے ہو گئے تھے۔ جامعہ کی شوریٰ کے تاسیسی رکن تھے، جامعہ کی مختلف ذمہ داریوں پر بھی فائز رہے اور مطبخ کی بھی خصوصی ذمہ داری ادا کی۔ مرحوم نے احیاء العلوم مبارکپور سے تعلیم حاصل کی تھی۔ قرآن کی بہت اچھی تلاوت کرتے تھے، نماز کا بہت اہتمام کرتے تھے۔ جامعہ کی مسجد میں نماز ادا کرتے تھے، مولانا محمد عنایت اللہ اسد سبحانی کی طویل امامت میں رمضان کے مہینہ میں مرحوم پوری تراویح کبرِسنی کے باوجود پڑھتے تھے۔ اللہ مرحوم کی لغزشوں کو معاف فرمائے، آمین۔

مرحوم ڈاکٹر داؤد کے نواسے جناب ڈاکٹر عمار صاحب نے تعزیتی نشست میں فرمایا کہ میرے نانا نے بہت سی خدمات انجام دیں اور ان کا دین اور دنیا دونوں سے لگاؤ تھا۔ نماز کی مسلسل پابندی کرتے اور کمزور ہونے کے باوجود مسجد میں نماز ادا کرتے تھے اور مجھے بھی بچپن میں مسجد لایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے، آمین۔

'آدابِ زندگی کے مصنف نے اپنی کتابِ زندگی کا آخری ورق الٹ دیا'

'آدابِ زندگی' کا ہر صفحہ تہجد کی نماز کے بعد حالتِ وضو میں تحریر کیا گیا تھا۔

مولانا محمد یوسف اصلاحیؒ کے سانحۂ انتقال پر تعزیتی نشست

۲۱/دسمبر ۲۰۲۱ء کو دوسری تعزیتی نشست مولانا محمد یوسف اصلاحی مرحوم کے سلسلے میں منعقد ہوئی جس کی نظامت کے فرائض مولانا اخلاق احمد کریمی قاسمی نے انجام دیے۔ مولانا اصلاحی مرحوم کا انتقال ۲۰ اور ۲۱/دسمبر کی درمیانی شب میں ہو گیا تھا۔ ناظم جامعہ مولانا محمد طاہر مدنی نے فرمایا کہ مولانا محمد یوسف اصلاحی نے ہائی اسکول پاس کرنے کے بعد مدرسہ مظاہر العلوم (سہارنپور) میں تعلیم حاصل کی پھر مدرسۃ الاصلاح میں اپنی تعلیم مکمل کی اور جماعت اسلامی کے بہت فعال رکن، تلمیذ فراہی مولانا اختر احسن اصلاحیؒ سے فیض حاصل کیا۔ مولانا محمد یوسف اصلاحی کی پانچ درجن سے زائد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ مرحوم ایک بہترین مقرر اور مصنف تھے۔ 'آداب زندگی' آپ کی مشہور کتاب ہے، بہت سی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوا ہے۔ رامپور میں واقع درس گاہ اسلامی اور جامعۃ الصالحات کے ذمہ دار تھے۔ اس کے علاوہ بھی مختلف مدارس کے ذمہ دار تھے۔ جماعت اسلامی کی مرکزی مجلس شوریٰ اور حلقہ کی شوریٰ کے رکن تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی خدمات کو قبول فرمائے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، آمین۔

ڈاکٹر محمد سکندر علی اصلاحی صاحب نے مرحوم کی شخصیت، فکر اور علم پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ مولانا محمد یوسف اصلاحی کی نگاہ گہری تھی، ان کی رائے نپی تلی اور دلائل سے مزین ہوتی تھی اور قبول کی جاتی تھی۔ مختصر لفظوں میں مدلل گفتگو کرتے تھے۔ مولانا بہت نفاست پسند تھے، جامعۃ الصالحات میں اور ان کے دفتر میں کاغذ کا کوئی ٹکڑا تک نہیں ملتا تھا۔ کم خوراک تھے، وقت کی بہت قدر کرتے تھے، اپنے ماتحت لوگوں کا خاص خیال رکھتے تھے۔ ہر ایک سے بہت شفقت سے ملتے تھے۔ 'آداب

زندگی' آپ کی بہت مشہور ومقبول کتاب ہے۔ میں نے ایک بار مولانا سے پوچھا کہ 'آدابِ زندگی' اتنی مقبول کیوں ہوئی ؟ تو مولانا نے کہا: ''وہ 'آدابِ زندگی' کا ہر صفحہ باوضو ہو کر اور رات میں تہجد کی نماز کے بعد لکھتے تھے۔'' 'آدابِ زندگی' کا مصنف اپنی کتابِ زندگی کا آخری ورق الٹ کر اپنے رب کے حضور حاضر ہو گیا۔ آپ کی عالمی پیمانے پر شہرت اور مقبولیت تھی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات کو قبول فرمائے اور جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔

....

اتر پردیش مدرسہ تعلیمی بورڈ کے چیئرمین جناب ڈاکٹر افتخار احمد جاوید صاحب کا دورہ جامعۃ الفلاح

۲۲/ دسمبر ۲۰۲۱ کو اتر پردیش مدرسہ تعلیمی بورڈ کے چیئرمین جناب ڈاکٹر افتخار احمد جاوید صاحب نے جامعہ کا دورہ کیا، طلبہ اور طالبات، دونوں شعبوں کو دیکھا، مرکزی لائبریری اور الفلاح ہاسپٹل کا بھی معاینہ کیا۔ دونوں شعبوں میں طلبہ وطالبات کی جانب سے پیش کیے گئے پروگرام کو بہت سراہا۔ اردو، عربی، انگریزی اور ہندی میں طلبہ نے تقریریں پیش کیں، موضوعات بھی بہت اچھے تھے: اسلام میں عورتوں کے حقوق، تعلیم کی اہمیت، ہماری ذمہ داریاں۔ ایک مؤثر ایکشن ترانہ بھی طالبات نے پیش کیا۔ ناظم جامعہ نے مہمان کا استقبال کیا اور جامعہ کا تعارف کراتے ہوئے امتیازی خصوصیات کا تذکرہ کیا کہ قرآن وسنت کی محققانہ تعلیم، دینی اور عصری علوم کا امتزاج، داعیانہ کردار کی تعمیر، وسعت قلب ونظر اور طالبات کی تعلیم کا نظم جامعہ کی اہم خوبیاں ہیں۔ اسپتال کے ذریعے خدمت کا کام بلا تفریق مذہب وملت انجام پا رہا ہے۔

معزز مہمان نے اپنی گفتگو میں کہا کہ جامعہ آنے کی بڑی خواہش تھی۔ آج میں بہت خوش ہوں، جامعہ کو توقعات سے بڑھ کر پایا، میں نے جو کچھ دیکھا، اسے بیان کروں گا، یقیناً یہ ایک مثالی ادارہ ہے۔ تین ماہ پہلے ہی میں نے ذمہ داری سنبھالی ہے، اس دوران بہت سے مدرسوں کا دورہ کیا ہے۔ میں مدارس کی بہتری اور ان کے متعلق پائی جانے والی غلط فہمیاں دور کرنے کی کوشش کر رہا

ہوں۔ مدارس کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ قرآن نے تعلیم کی اہمیت اجاگر کی ہے۔ قرآن ایک مکمل رہنمائی ہے مگر افسوس آج مسلمان تعلیم کے میدان میں پس ماندہ ہوگئے۔ ہمیں اپنی پیشانی سے اس داغ کو مٹانا ہے۔ ہمیں دینی اور دنیوی دونوں تعلیم کی ضرورت ہے۔ میزبانی کے فرائض مہتمم تعلیم وتربیت ڈاکٹر جاوید سلطان فلاحی نے انجام دیے۔

کلیہ بنات میں طالبات کی کثیر تعداد کو دیکھ کر وہ بہت متاثر ہوئے۔ تعلیم نسواں کی اہمیت پر روشنی ڈالی اور کہا کہ خواتین ہی نئی نسل کی تربیت کرتی ہیں۔ طلبہ و طالبات کو خوب محنت سے پڑھنے کی تاکید کی اور یقین دلایا کہ آپ کی ہر ممکن مدد کی کوشش کروں گا۔ اس پروگرام کے میزبان معاون مہتمم مولانا محمد عمران فلاحی صاحب تھے۔ دونوں میزبانوں کے ہدیہ تشکر پر پروگرام کا اختتام ہوا۔

....

خوش آئند اقدام: مرکزی لائبریری میں ماہرین فن اساتذہ کرام کی خدمات

طلبہ کی علمی رہنمائی کے لیے اب مرکزی لائبریری میں جامعہ کے چند ماہرین فن اساتذہ کرام کی خدمات حاصل کی گئی ہیں۔ تفصیلات اس طرح ہیں:

مغرب کے فوراً بعد: مولانا ذکی الرحمن غازی فلاحی مدنی (استاد تفسیر وادب)

عشاء سے ایک گھنٹہ قبل: ولانا رحمت اللہ اثری فلاحی مدنی (مدير البحث العلمي والارشاد الاكاديمي)

عشاء کے بعد سے لائبریری بند ہونے تک: ڈاکٹر محمد شاہد کریم اللہ فلاحی (استاد حدیث وفقہ)

طلبہ لائبریری میں حاضر ہو کر اپنی درسیات اور مقالات ومضامین لکھنے کے لیے رہ نمائی حاصل کریں۔ بلریا گنج اور قرب وجوار کے سرپرستوں کو بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے لائبریری بھیجنے کا اہتمام کریں۔

....

یہ خوش کن اطلاع بھی ملی ہے کہ شعبہ نسواں کی وہ طالبات جنہیں مقالے تحریر کرنے ہیں، انہیں بھی مرکزی

لائبریری سے استفادہ کا موقع دیا گیا۔ انہوں نے لائبریری پہنچ کر مراجع نوٹ کیے جو ان کے نام جاری کردیے جائیں گے۔

(’حیات نو‘ طلبہ وطالبات کی توجہ ماہنامہ معارف، دسمبر ۲۰۲۱ میں شائع شدہ ڈاکٹر ظفرالاسلام خاں کے مضمون بہ عنوان ’**انٹرنٹ پر عربی اوراسلامی مآخذ**‘ کی طرف مبذول کرانی چاہتا ہے۔ مضمون مفید معلومات پر مشتمل ہے اور مقالہ نگاری کے باب میں بہت معاون۔ اس کی مدد سے انٹرنٹ پر موجود مصادر و مآخذ تک رسائی میں خاصی مدد ملے گی۔ مناسب ہوگا کہ مضمون کی نقل طلبہ اپنے پاس محفوظ کرلیں۔)

....

’بستیاں دور، بہت دور، بسانے والے‘

مولانا افتخار الحسن ندوی صاحب کو صدمہ

شعبہ نسواں میں استاد مولانا افتخار الحسن ندوی صاحب کے فرزند ارجمند ڈاکٹر جلیس احمد ۵ ر اکتوبر ۲۰۲۱ء کو اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم کی عمر تقریباً ۵۵ سال تھی۔ جامعۃ الفلاح میں عربی دوم تک تعلیم حاصل کی تھی، اس کے بعد علی گڑھ سے بی یو ایم ایس اور ایم ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ مرحوم زیڈ وی ایم طبیہ کالج پونے کے سابق پرنسپل تھے۔ مرحوم پہلے کرونا کی وبا سے متاثر ہوئے پھر دیگر کئی عوارض لاحق ہوگئے جن کا نتیجہ وفات کی شکل میں سامنے آیا۔ مرحوم کا مزاج علمی تھا اور وہ ایک اچھے صاحب قلم کی حیثیت رکھتے تھے۔ مختلف رسائل ومجلات میں آپ کے مضامین ومقالات شائع ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔ ادارہ حیات نو مولانا افتخار صاحب اور دیگر پسماندگان کو دلی تعزیت پیش کرتا ہے۔

....

جامعہ کے کارکن جناب عبدالعلیم (ڈرائیور) نہیں رہے

جامعہ کے ایک کارکن جناب عبدالعلیم (ڈرائیور) ۱۹ ر نومبر ۲۰۲۱ء کو اس دارفانی سے کوچ کر گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کی عمر تقریباً ۵۳ سال تھی، پسماندگان میں تین بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ اللہ

تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

۲۰ رنومبر کو جامعہ میں منعقدہ ایک تعزیتی نشست میں مولانا محمد عمران فلاحی صاحب نے فرمایا کہ عبدالعلیم کل تک ہم لوگوں کے درمیان تھے اور اب وہ اس دنیا میں نہیں رہے۔ انجمن طلبہ قدیم کی جب گاڑی خریدی گئی تو عبدالعلیم کو اس کا ڈرائیور متعین کیا گیا۔ پھر ان کے حسنِ کارکردگی کی وجہ سے جامعہ نے انہیں ملازمت دے دی اور آپ آخری دم تک جامعہ کی خدمت کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔

ناظم جامعہ مولانا محمد طاہر مدنی صاحب نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ جناب عبدالعلیم صاحب سے میرا ایک لمبے عرصے سے تعلق رہا ہے۔ مرحوم بھی شوگر کے مریض تھے، لیکن بہت احتیاط کرتے تھے، سانس کی بھی تکلیف تھی۔ کل صبح ان سے ملاقات ہوئی اور دس بجے تک جامعہ کی کینٹین میں وہ تھے اور سوا بارہ بجے فون آیا کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں رہے، یہ بڑی اندوہناک خبر تھی۔ ان کی ایک خوبی تحمل و برداشت کی صلاحیت اور وقت کی پابندی تھی۔ مولانا نے پیشکش کی کہ اگر ان کے بیٹے جامعہ کی خدمت کے لیے تیار ہوں تو ان کا خیر مقدم کیا جائے گا کیونکہ مرحوم انتقال کے وقت آن ڈیوٹی تھے۔ اللہ تعالیٰ علیم بھائی کی قبر کو نور سے بھر دے اور کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے، آمین۔

انجمن طلبہ قدیم

خبریں/سرگرمیاں

فلاح یونٹ کا انتخابِ نو

۱۴؍نومبر ۲۰۲۱ء کو صبح ساڑھے دس بجے مولانا ابواللیث ہال میں انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح یونٹ کا انتخاب عمل میں آیا۔اس انتخابی نشست میں صدر انجمن برادر ابو الاعلیٰ سید سبحانی فلاحی شریک تھے۔الحمدللہ درج ذیل نئے ذمہ داران یونٹ کا انتخاب عمل میں آیا ہے:

ذمہ داران

صدر: کمال الدین فلاحی (فضیلت ۱۹۸۶ء) سکریٹری: مصباح الباری فلاحی (عا لمیت ۲۰۰۵ء)

خازن: امیر فیصل فلاحی (فضیلت ۱۹۸۷ء)

ارکان شوریٰ

ریاض احمد فلاحی (فضیلت ۱۹۸۱)،عبدالعظیم فلاحی (فضیلت ۱۹۸۳)،محمد شاہد فلاحی (فضیلت ۱۹۹۱)،شاہ عالم فلاحی (فضیلت ۱۹۹۳)،نسیم احمد فلاحی (عا لمیت ۱۹۹۶)،رئیس احمد فلاحی (فضیلت ۱۹۹۸)،ذکی الرحمن غازی فلاحی (فضیلت ۲۰۰۵)۔

’گہری علمی بصیرت کے بغیر موثر قائدانہ کردار ادا کرنا ممکن نہیں‘

مولانا محمد الیاس فلاحی

۲۹؍نومبر ۲۰۲۱ء بعد نماز ظہر جامعہ کی مسجد میں انجمن طلبہ قدیم کی جانب سے مولانا محمد الیاس فلاحی (اکولہ) کے ایک لکچر کا انعقاد کا اہتمام کیا گیا۔

صدر انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح جناب ابو الاعلی سید سبحانی فلاحی نے مولانا محمد الیاس فلاحی کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ آپ کا تعلق مہاراشٹر کے ضلع اکولہ سے ہے۔ جماعت اسلامی

مہاراشٹر کے معاون امیر حلقہ اور حلقہ کی شوریٰ کے رکن اور رکن مجلس نمائندگان جماعت اسلامی ہیں۔ مختلف علمی، فکری، اور تحریکی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔ آپ پہلے فلاحی ہیں جن کو مسلم پرسنل لا بورڈ کا رکن منتخب کیا گیا ہے۔ آپ جامعہ کی شوریٰ کے بھی رکن ہیں۔

مولانا محمد الیاس فلاحی صاحب نے اپنی گفتگو میں فرمایا کہ آپ طالبانِ علوم نبوت ہیں، اس لیے آپ دین میں تفقہ اور گہری بصیرت پیدا کریں، تبھی آپ معاشرے میں مؤثر قائدانہ کردار ادا کر سکتے ہیں۔ آپ کا مطالعہ علمی اور تحقیقی ہو، سطحی نہ ہو۔ آج فارغینِ مدارس دین میں گہری بصیرت نہیں رکھتے اسی لیے سماج میں صحیح کردار ادا نہیں کر پا رہے ہیں اور نہ ہی سماج پر اپنے اثرات چھوڑ رہے ہیں۔ نبی ﷺ کے زمانے میں بہت سے چیلنجز تھے۔ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کی ایسی تربیت کی کہ انھوں نے ان چیلنجز کو قبول کیا اور پورے استدلال کے ساتھ مقابلہ کیا۔ ٹھیک یہی حال مدارس کے فارغین کا ہے کہ ان کے سامنے بہت سے چیلنجز ہیں، ہم ان چیلنجز کا علمی محاکمہ کریں، پورے استدلال سے جواب دیں۔ محض ڈگری نہ حاصل کریں، بلکہ اپنے مطالعہ کو وسیع کریں، امت مسلمہ کو فائدہ پہنچائیں اور اجتماعیت سے وابستہ رہیں۔ محض پرکشش ملازمت اور بڑی تنخواہ پانے کی کوشش کرنا زوال پذیر قوم کی نشانی ہے۔ ہم وہ خوش نصیب ہیں جن کے پاس وحی الٰہی موجود ہے۔ قرآن وسنت کے فہم میں گہرائی پیدا کیجیے، امت کو بیدار کیجیے۔ مایوسی سے بچیے اور کسی قسم کی احساس کمتری کا شکار نہ ہوئیے۔

> **تفقہ اور گہری بصیرت مؤثر قائدانہ کردار کے لازمی عناصر ہیں۔**

....

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی کا توسیعی لکچر

۳۰ر نومبر ۲۰۲۱ء کو ابو اللیث ہال میں ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی نے ایک توسیعی لیکچر بہ عنوان ’موجودہ دور میں فکر اسلامی کے چند اہم موضوعات‘ دیا جس کا اہتمام انجمن طلبہ قدیم کی جانب سے کیا گیا تھا۔

صدر انجمن ابو الاعلی سید سبحانی نے ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ مولانا کی ابتدائی تعلیم درس گاہ اسلامی رامپور میں ہوئی، دار العلوم ندوۃ العلماء (لکھنؤ) سے عالمیت وفضیلت کیا پھر علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سے بی یو ایم ایس اور ایم ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ جماعت اسلامی کی مختلف ذمہ داریوں پر فائز رہے۔ اس وقت جماعت اسلامی ہند کی شریعہ کونسل کے سکریٹری، شعبہ اسلامی معاشرہ کے سکریٹری، مختلف مدارس اور رسائل سے منسلک ہیں اور جامعۃ الفلاح کی شوریٰ کے رکن ہیں۔

مولانا محمد رضی الاسلام ندوی صاحب نے اپنے لکچر میں مولانا علی میاں ندویؒ کی تاریخ دعوت وعزیمت اور بعض دوسری تصانیف کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کتابوں میں بہت سی ایسی شخصیات کا تذکرہ ہے جنھوں نے فکر اسلامی کی صحیح تشریح کی۔ موجودہ دور میں مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ نے غیر اسلامی افکار ونظریات کا رد کیا اور بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا اور اپنی تصانیف میں بہت ساری چیزوں کی صحیح تشریح کی۔ محض نماز، روزہ اور زکوٰۃ کا تعارف کرانا فکر اسلامی کی تشریح میں نہیں آتا ہے، بلکہ موجودہ دور میں غلط تعبیرات وتشریحات کی صحیح تشریح کرنا فکر اسلامی کی فہرست میں آتا ہے۔

اسلام کی بنیاد تین عقائد، توحید، رسالت اور آخرت پر ہے۔ ان تینوں موضوعات پر موجودہ دور میں لکھنے کی ضرورت ہے۔ الحاد کا موضوع اہم ہے، اس کو موضوعِ بحث بنانے کی ضرورت ہے۔ اس پر ایک اہم کتاب مولانا وحید الدین خاں کی 'علم جدید کا چیلنج' ہے۔ ایسے ہی آج کے زمانے میں 'وحدت ادیان'، 'اسلام ہی کیوں؟'، 'محمد ﷺ کا اسوہ، اسوہ حسنہ اور کاملہ ہے'، 'حدیث اور سنت میں فرق'، 'کلچر اور سنت میں فرق' بھی اہم موضوعات ہیں، ان پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ زوجین کے درمیان ان بن ہوجانے کے مسائل، فسخ نکاح کے مسائل، یتیم پوتے کے وراثت کے مسائل، تکثیری سماج کے مسائل جیسے غیر مسلموں کے تہواروں پر مبارکباد دینا اور غیر مسلموں کی سماجی تقریبات میں شرکت کرنا کیسا ہے؟ ان پر کام کی ضرورت ہے۔

موجودہ دور میں جن موضوعات پر بہت کچھ لکھنے اور صحیح اسلامی نقطہ نظر پیش کرنے کی ضرورت ہے اس

کے لیے دو اہم کتابوں کا مطالعہ ضرور کریں۔'معاصر اسلامی فکر' (ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی) 'بدلتی ہوئی دنیا اور اسلامی فکر' (سید سعادت اللہ حسینی)۔لکچر کے بعد سوال وجواب کا سشن چلا۔شعبۂ اعلیٰ کے طلبہ واساتذہ نے لکچر میں شرکت کی۔

حیات نو کی مجلس ادارت کی آنلائن نشست

۵/دسمبر ۲۰۲۱ء اتوار کے دن مجلہ 'حیات نو' کی مجلس ادارت کی ایک آنلائن نشست مدیر مجلہ کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ باہمی تعارف اور مدیر کی افتتاحی گفتگو کے بعد شرکاء کے سامنے سوالات رکھے گئے: مجلہ کی پیشکش کو کیسے بہتر کیا جائے؟ متنوع مضامین کیسے شامل ہوں؟ وقت پر شمارہ شائع کرنے کے عملی اقدامات کیا ہو سکتے ہیں؟ ابلاغ کی دنیا میں جو نئی چیزیں آرہی ہیں ان سے ہم کیسے استفادہ کر سکتے ہیں؟ مجلہ کو موجودہ روایتی ڈھرے سے ہٹ کر کیسے پیش کیا جائے کہ انداز پیشکش اور مضامین، دونوں میں جاذبیت ہو جسے دیگر حلقوں میں بھی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جا سکے۔ان سوالوں پر بحث وگفتگو کے بعد حسب ذیل مشورے سامنے آئے:

۱– مضامین میں تنوع ہو ۲– سوشل میڈیا پر موجود اہل قلم سے رابطہ کیا جائے ۳– ہر تین ماہ پر ایک اچھی علمی کتاب کا تعارف پیش ہو ۴– مجلہ کو بتدریج علمی رخ دیا جائے ۵– خواتین اہل قلم کی بھی خاطر خواہ نمائندگی ہو ۶– سال میں ایک خصوصی شمارہ نکالا جائے ۷– اہل قلم کی فہرست تیار کر کے ان سے علمی تعاون حاصل کیا جائے ۸– کالموں کا تعین ہو۔ضیاء الدین ملک فلاحی نے تحریری مشورے دیے کہ مجلہ کا issn number حاصل کیا جائے جس سے اس کی معتبریت میں مدد ملے گی، مجلے کے تاحیات ارکان کا ریکارڈ رکھا جائے اور نظم کی کوئی تبدیلی ان تک مجلہ پہنچنے میں حارج نہ ہو، مقالہ نگاران کو ہر صورت میں مطبوعہ کاپی ارسال کی جائے۔

آخری صفحہ

ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی کی نگرانی میں قرآنیات پر تحریر کیا گیا ایک قابل قدر علمی مقالہ

۱۰ر دسمبر ۲۰۲۱ء کو ساجد شفیع (ریسرچ اسکالر شعبہ اسلامک اسٹڈیز علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری سے نوازا گیا جنہوں نے سابق مدیر حیات نو ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی کی زیر نگرانی ''مستشرقین کے انگریزی تراجم قرآن: ایلَن جونز کا خصوصی مطالعہ'' کے موضوع پر انگلش میں اپنا مقالہ تحریر کیا ہے۔ مقالے میں یہود، نصاریٰ اور

قادیانیوں کے علاوہ مسلم دانشوروں کے معذرت خواہانہ انداز فکر کا ناقدانہ مطالعہ پیش کیا گیا ہے اور صحیح العقیدہ مسلمانوں کے جوابی ردعمل کی بھی وضاحت کی گئی ہے۔

ڈاکٹر ضیاء الدین فلاحی نے بتایا کہ ''استشراق'' شعبہ اسلامک اسٹڈیز کے نصاب کا حصہ ہے، اس تناظر میں مستشرقین کی قرآنی خدمات کا تنقیدی جائزہ اس کی اہمیت کو دوچند کرتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ خواہش ہے کہ تھیسس کا اردو قالب بھی وجود میں آجائے جس سے اردو دنیا کو اکیسویں صدی کے استعماری لہجے سے متعارف ہونے میں مدد ملے گی۔ واضح رہے کہ ایلن جونز (Alan Jones) اکسفورڈ یونیورسٹی کے شعبہ عربی کے ریٹائرڈ پروفیسر ہیں۔

With best compliments from

ADHAM ALI

Managing Director

+91-9821 03 2562

Swaidan

MANPOWER CONSULTANTS

Regn. No. B0513/MUM/PER/1000+/10/8522/2009

Real Tech Park, 1013, 10th Floor, Sector 30/A
Near Vashi Railway Station, Vashi
New Mumbai-400703 (India)
Tel: +91-22-66441600, Fax: +91-22-66441688
E-mail: admin@swaidan.in
Website: www.swaidan.in

JARIDA HAYAT–E–NAU RNI No: DELURD/2015/65862
JANUARY-2022 Vol. VII Issue-I

مڈل ایسٹ میں ملازمت کے خواہش مند حضرات کے لیے
ایک قابل اعتماد ادارہ

الھند فارن سروس ایجنسی

- اگر آپ میڈیکل لائن سے متعلق ہیں
- اگر آپ کوئی ہنر جانتے ہیں
- اگر آپ صرف پڑھے لکھے ہیں اور آپ کے پاس کوئی ہنر نہیں ہے
- اگر آپ کا کسی ہوٹل انڈسٹری سے تعلق ہے
- اگر آپ عام لیبر یا مزدور ہیں

تو آپ اپنے پاسپورٹ کی کاپی، فوٹو اور بائیوڈاٹا ہمیں بھیج دیجیے......اور دیگر تفصیلات کے لیے ہماری اطلاع کا انتظار کیجیے۔

وكالة الهند للخدمات الأجنبية

AL-HIND FOREIGN SERVICE AGENCY

Registration No.: B-0376/DEL/PER/1000+/5/1263/1984

Head Off: No. 73, Main Road, Near SBI
Zakir Nagar, New Delhi-110 025 (India)
E-mail: info@al-hind.com

Ph : 0091 - 11 - 26983980, 26983981
0091 - 11 - 26988375 / 76
Fax : 0091 - 11 - 26983982

Web: www.al-hind.com

Branch Office: 38, G.F. Ashoka Shopping Complex, Near G.T. Hospital
L.T. Road, Mumbai - 400 001 (India)
Ph. : 0091-22-22652906 Fax: 0091 - 22 - 22652910